سادات بھنیڑہ

تاریخ اور شجرۂ نسب

History of Saadat Bhanera

by

Samin Naqvi

فہرست

پیش لفظ

گزارش۔ مولانا سید علی حسن اختر نقوی امروہوی

حضرت علیؑ

حضرت امام حسنؑ

حضرت امام حسینؑ

حضرت امام زین العابدینؑ

حضرت امام محمد باقرؑ

حضرت امام جعفر صادقؑ

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ

حضرت امام علی رضاؑ

حضرت امام محمد تقیؑ

حضرت امام علی نقی

حضرت امام حسن عسکری

حضرت امام مہدی آخرالزماںؑ

سلسلۂ نسب

مخدوم سید جلال الدین سرخ بخاری

اوچ کی قدامت

اوچ میں آمد
سلطان سید احمد کبیر بخاری
مخدوم سید جلال الحق جہانیان جہاں گشت
مخدوم سیّد ناصر الدین محمود
مخدوم سید شہاب الدین بخاری
مخدوم سیّد عمر نوبہار بخاری
مخدوم سیّد حامد نوبہار بخاری
بنہیڑہ سادات
سیّد بڈھن
سیّد جیون بخاری
سیّد حامد فاضل بخاری
مخدوم سید مبارک بخاری
مراجعت
اُوچ بخاری کے مزارات
موجودہ اوچ - عبرت کا مرقع
حرفِ آخر
کتابیات
شجرۂ نسب
محلّۂ بھولان
محلّہ سرداران
محلّہ منصب داران

گزارش

میں نے اپنے کرم فرما عزیز و رفیقِ دیرینہ سید ثامن حسین نقوی بالقابہ کے شجرہ اور پیش لفظ کو از اول تا آخر بغور دیکھا۔ اس قسم کے شجرہ اور نسب نامہ کی کسی وقت اور کس کو ضرورت نہیں ہوتی۔ بالخصوص اس قوم اور قبیلہ کو جس میں داخلہ کی ہر قوم اور ہر قبیلہ کی دلی تمنا ہوتی ہے کہ ہم بھی کسی طرح سید المرسلین، سید المتقین، سیدۂ نساء العالمین، سید شبابِ اہل جناں کے اہل بیت میں داخل ہو کر اور سیادت کی کرسی پر بیٹھ کر سید عالی نسب بن جائیں۔ اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص کا ضمیر میرے اس بیان کی بدل گواہی دے گا۔ اور بالخصوص اس دورِ غریب الوطنی میں جس میں سیکڑوں سید صاحب اور میر صاحب مفت میں بن بیٹھے ہیں۔ اس قسم کے لطائف تو بے شمار ہیں مگر میں ایک لطیفہ سناتا ہوں۔ کراچی میں، میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا فرمانے لگے۔ سید صاحب آپ کے ہم وطن ایک سید صاحب ہمارے ہم سایہ ہو گئے ہیں۔ یہ کہنا ہی تھا کہ اتفاق سے وہ سامنے سے آ گئے یہ برسوں کے جانے پہچانے جولاہے تھے وہ مجھے خوب جانتے تھے کہ میں سید ہوں۔ پہلے تو وہ بہت گھبرائے میں بھی مسکرایا مزاج پرسی کی۔ کہنے لگے جناب اب کیا مزاج پوچھتے ہو عجیب انقلاب آیا ہے۔ خدا نہ دکھلائے۔ مجھے آپ بتا دیں گے یہ جولاہا ہے اور خود کو کہیں گے میں تو جناب چوکھا سید ہوں۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارے مذہب نے معیار فضیلت اسلامی تقویٰ قرار دیا

ہے مگر نسب بھی کوئی چیز ہے جو انسانوں ہی میں نہیں حیوانات میں بھی پایا جاتا ہے۔ سیدالانبیاء نے سیدالاوصیاء کو ایک تحفہ میں آیا ہوا گھوڑا جس کا نام غالباً مرتجز تھا عطا فرمایا۔ گھوڑا ہمہ صفت موصوف تھا۔ اگر حیوان کے آگے ناطق بڑھا دیتے تو انسان بن جاتا۔ مولائے کائنات نے اس کی افزائش نسل کیلئے گھوڑی تلاش کی۔ اور دو گھوڑیاں سارے عرب میں مل سکیں۔ انتخاب اس طرح فرمایا کہ ایک طرف ہری ہری گھاس ڈالی اور دوسری طرف مالکوں کو کھڑا کیا۔ اس طرف سے گھاس والے نے گھوڑی کو پکارا۔ اس طرف سے مالک نے۔ جو مالک کے بلانے پر آ گئی اس سے نسل میں اضافہ ہوا۔ اب ذرا سامنے کی مثال سنئے۔ اصیل کبوتر آپ نے دیکھے ہوں گے۔ کس قدر بلندی پر پرواز کرتے ہیں۔ شام کو قلابازیاں کھاتے کھاتے نیچے اترتے ہیں۔ آپ ان ہی کبوتروں کو دیسی کبوتریوں سے ملا دیجئے۔ کچھ سلسلہ کے بعد اصیل کبوتر کے بچوں کی وہ صفت ہی ختم ہو جائے گی۔

بعض کوتاہ عقل۔ تاریک دماغ سوچیں گے کہ یہ کمی تو دینی پیشوا اور ائمہ معصومین کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے کیونکہ ان کی شریک زندگی ان جیسی معصوم نہ تھی ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ بعض معصومین کی شریک حیات گو لفظ معصوم سے محروم تھیں مگر مفہوم میں شریک تھیں ان کی رضا اور رضائے معصوم بالکل ایک تھی یعنی لفظ معصوم اور غیر معصوم دو تھے دونوں کی رضا ایک تھی یعنی دونوں بلحاظ رضا ایک تھے۔ علاوہ ازیں موجودہ دور میں کنیز کا لفظ جو مکروہ اور ذلیل معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس زمانے میں کنیز صرف اس لئے کہا جاتا تھا کہ وہ شکست خوردہ بادشاہ کی اولاد تھی۔ ورنہ بیشتر امام بلکہ ہر امام کی شریک زندگی شاہان کبار یا سلاطین تاجدار کی بیٹیاں ہوتی تھیں۔ بھلا امام معصوم کی شریک حیات ہو اور رفیع حیات نہ ہو۔

امام کی ہر وہ شریک حیات جس سے امام معصوم وجود میں آنے والا ہو پاک دامن

پاک باطن۔ پاک بطن۔ پاک صفات ہوتی ہیں۔ وہ معصوم امام جو تقریباً سو سال قبل کا خیال رکھے اور صرف اس تصوّر سے کہ آئندہ چل کر سو سال کے بعد ایک اولادِ امام میں سے غیر معصوم کا نام جعفر تواب ہوگا لہٰذا مجھے اپنے بیٹے کا نام جعفر صادق رکھنا چاہیے۔ بھلا وہ کسی ایسے بطن سے امام معصوم وجود میں لاسکتا ہے جو بطنِ نجس ہو۔

بہرحال ہم بارگاہِ خداوندی میں دست بہ دعا ہیں کہ سید صاحب موصوف کی طرح سب کو اور بالخصوص ہر سید کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ اپنا شجرۂ سیادت اپنی اولاد اور پسماندگان کے لئے بطور ایک بیش قیمت خزانہ کے ہمیشہ کو چھوڑ جائے۔ آمین!

احقر الزمن

(مولانا) سید علی حسن اختر نقوی امروہوی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

بنی آمیہ اور خصوصاً بنی عباس کے دورِ حکومت میں سادات پر اس قدر مظالم ہوئے کہ دیواروں میں زندہ چنوا دیا گیا اور ہر طرح کے ظلم و ستم بے دریغ ڈھائے گئے۔ ان حالات میں سادات نے آئندہ نسلوں کی حفاظت کے لئے تقیہ کیا تاکہ ظالموں سے نجات ملے اور نسلیں برقرار رہیں۔ بنی عباس کی حکومت کے خاتمے کے بعد جب آلام و مصائب سے نجات ملی اور جان کا خوف نہ رہا تو بزرگوں نے اپنے بچوں کو، شجرۂ نسب سے آگاہ کیا اور اس سلسلے کو جاری و ساری رکھنے کی تلقین کی جو آج تک لکھا جا رہا ہے اور ہمیشہ اس پر عمل ہوتا رہے گا۔ اور یہی سادات کی ایک امتیازی خصوصیت ہے۔ مشہور ادیب پروفیسر سید پطرس بخاری اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے نمائندے تھے۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ موصوف ایک دن شام کے وقت سبزہ زار پر دوسرے نمائندوں کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے۔ قریب ہی جرمنی اور فرانس کے نمائندے محوِ گفتگو تھے۔ دونوں کے درمیان بحث شروع ہو گئی۔ جرمنی کے نمائندے نے فرانسیسی سے کہا کہ شاید تمہیں اپنے باپ کا نام یاد ہو لیکن دادا کا نام معلوم نہیں ہو گا۔ فرانسیسی نے سوال کیا کہ تمہیں؟ جس کے جواب میں جرمن کے نمائندے نے کہا کہ میں اپنی بیس پشتوں تک نام بتا سکتا ہوں پطرس بخاری کہتے ہیں کہ میں نے جرمنی کے نمائندے سے کہا کہ میں اڑتیس پشتوں تک کے نام بتا سکتا ہوں یہ سن کر جرمنی کے نمائندے نے سوال کیا کہ تم پیغمبرِ اسلام حضرت محمدؐ کی اولاد ہو؟ میں نے اقرار کیا تو وہ کہنے لگا کہ دنیا میں صرف جرمن قوم اور

پیغمبرِ اسلام کی اولاد اپنا شجرۂ نسب بتا سکتے ہیں۔ دوسرا کوئی نہیں بتا سکتا یہاں اس وقت تمام دنیا کے نمائندے موجود ہیں دریافت کر کے دیکھ لو۔

ہمارے سابق وطن میں نکاح سے قبل نسب نامہ پڑھنا لازمی تھا بعد میں معلوم ہوا کہ اوچ شریف اور دوسرے مقامات کے بخاری سادات میں بھی یہ رسم بڑے اہتمام سے ادا کی جاتی ہے۔ ظہورِ اسلام سے پہلے بھی عربوں کے اعلیٰ خاندانوں اور خاص طور پر بنی ہاشم میں شجرے لکھے جاتے تھے۔ اور اعلیٰ نسبی پر فخر و مباہات کیا جاتا تھا۔ نبی آخرالزماںؐ نے بھی آلِ ابراہیم اور ہاشمی ہونے پر فخر کیا ہے۔ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت عقیل سے خواہش ظاہر کی تھی کہ آپ انسابِ عرب کے ماہر ہیں مجھے ایسا خاندان بتائیے جہاں میں عقد کروں اور اس کے بطن سے ایک ایسا بیٹا پیدا ہو جو بہادر ہو اور مصیبت کے وقت میرے بیٹے حسینؑ کی مدد کرے۔ چنانچہ حضرت عقیل بن ابی طالبؑ کی تجویز پر امیرالمومنین نے بنی اسد کی ایک خاتون سے شادی کی جن کے بطن مبارک سے حضرت عباسؑ پیدا ہوئے۔ عربوں میں جنگ و جدال کے لئے جب کوئی بہادر دشمن کی فوج سے لڑنے کے لئے آتا تو اپنی اعلیٰ نسبی اور شجاعت کا اعلان کرتا تھا۔ چنانچہ شجرۂ نسب لکھنا اور اسے محفوظ رکھنا صرف سادات کا کارنامہ ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ اسلام میں اچھے اعمال کی بڑی اہمیت ہے۔ حشر میں اعمال کی پرسش ہوگی۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر اعمال کے ساتھ ساتھ نسب بھی اچھا ہو تو فضیلت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

سادات کے تمام گھرانوں میں شجرۂ نسب لکھا جاتا رہا ہے لیکن تقسیمِ ہند کے باعث بہت سے گھرانے مختلف وجوہ کے باعث ترکِ وطن پر مجبور ہو گئے۔ ایسے خاندانوں کے شجرے ہندوستانی علاقوں میں رہ گئے۔ اس لئے کہ برادریوں

میں شجرۂ نسب صرف ایک ہوتا تھا۔ یہاں آکر بزرگوں کو خصوصی طور پر اس کا احساس ہوا تو انھوں نے کسی نہ کسی طرح اپنے سابق وطن سے نقلیں حاصل کیں۔ یہی حال ہماری برادری کا بھی ہوا۔ ہمارا خاندانی شجرہ جو غالباً چار سو سال پرانا تھا۔ وطن میں رہ گیا۔ پاکستان میں اگر کسی کے پاس نسب نامہ تھا بھی تو وہ صرف اپنا خاندانی سلسلہ تھا۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی تھی کہ مکمل برادری کا نسب نامہ ہو۔ اس سلسلے میں عزیزی سید محمد سبطین صاحب نے کہیں سے مکمل برادری کا نسب نامہ حاصل کر کے چھپوا دیا۔ لیکن اس میں اکثر و بیشتر نام لکھائی اور چھپائی کی خرابی کے باعث پڑھے نہیں جا سکتے اور بعض خاندانوں کا سلسلہ صحیح طریقے سے سمجھ میں نہیں آتا۔ اس کے علاوہ سب سے بڑی فروگذاشت جو اس نسب نامے میں ہوئی وہ یہ ہے کہ سید جعفر ثانی بن حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے لے کر مخدوم سید جلال سرخ بخاری بن سید علیؑ ابوالموید تک آٹھ بزرگوں کے نام تحریر کیے ہیں جبکہ نو۹ بزرگوں کے نام ہونا تھے۔ یعنی ایک نام چھوڑ گئے۔ ان کے علاوہ بھی کئی اور نام ایسے ہیں جن کا سلسلہ آگے نہیں بڑھتا۔ میرے خیال میں یہ وہ حضرات ہیں جن کی اولاد نہیہرٹے سے نقل مکانی کر کے دوسری بستیوں میں آباد ہو گئی۔ تاکہ اپنی جائیداد کے قریب رہ سکیں مثلاً رمپوری۔ جوگی پورہ۔ بخارہ۔ اور پیدا وغیرہ۔ اور ان لوگوں کے نسب نامے کو اس میں شامل نہیں کیا گیا ہے لیکن ان بستیوں کے لوگوں سے رشتہ داریاں برابر جاری ہیں۔ ایسے ناموں کے آگے منقطع ہونے کا سبب ضرور لکھنا چاہیے تھا۔ بہر حال تعجب کی بات یہ ہے کہ اس شائع شدہ نسب نامے کی تصدیق برادری کے دس ذمے دار حضرات نے بھی کی ہے جن کے نام اور دستخط موجود ہیں۔

میرے پاس خاندانی شجرہ موجود ہے جس کے بارے میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا

ہوں کہ اس میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ لیکن دوسرے خاندانوں یا برادری کے بارے میں نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ میرے پاس صرف سبطین صاحب کا مرتب کردہ شجرہ ہے۔ جس سے میں نے نقل کیا ہے۔

میں اپنے دیرینہ کرم فرما اور محترم بزرگ حضرت مولانا سید علی حسن صاحب قبلہ اختر نقوی امروہوی کا دل کی انتہائی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں کہ موصوف نے شجرہ کا مسودہ ملاحظہ فرما کر اپنی قیمتی رائے سے مستفیض فرمایا۔ حضرت مولانا صاحب قبلہ متعدد کتابوں کے مصنف اور بے مثل قصیدہ گو ہیں۔

عزیزی سید محمد سبطین صاحب کا شکر گزار ہوں جنھوں نے اپنا مرتب کردہ شجرہ عنایت فرمایا۔ بہرحال ان کی کاوشیں اس سلسلے میں قابلِ ستائش ہیں۔ اپنے دیرینہ دوست سید انصار حسین صاحب امامیہ کالونی لاہور اور سید اظہر عباس صاحب کا بھی ممنونِ احسان ہوں جنھوں نے میری ہمت افزائی کی اور یہ عظیم فرض پایۂ تکمیل تک پہنچا۔

ثامن نقوی

امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام

نسب مبارک علیؑ ابن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان تک آپ کا سلسلۂ نسب متفق علیہ ہے۔ تاریخ احمدی میں ابوالفدا اور ابن الوردی کے حوالے سے لکھا ہے کہ آنحضرت کا سلسلہ نسب عدنان تک متفق علیہ ہے اور عدنان کا اولادِ اسمٰعیل سے ہونا بھی مسلّم ہے۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ مابین عدنان و اسماعیل علیہ السلام کتنی پشتیں گذریں — علاّمہ جوانی عالم علم انساب نے اس باب میں جو قولِ مختار نقل کیا ہے وہ یہ ہے عدنان بن اُد بن اُدد بن الیسع بن الہمیسع بن سلامان بن حمل بن بنت بن قیدار بن اسمٰعیل علیہ السلام۔ طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۲۱ پر تحریر ہے کہ ابراہیم بن تارخ بن ناحور بن ساروغ بن ارغو بن فالغ بن غیبر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام۔

حیات القلوب جلد ۲ کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے کہ نوح بن ملک بن اخنوخ بن مہلائیل بن بارز بن قینان بن ارد بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔

ارغو حضرت ہودؑ کا نام تھا اور اخنوخ حضرت ادریسؑ کا نام تھا۔

حضرت ابوطالب کا نام عمران تھا۔ اور آپ حضرت عبد اللہ (والد سرکارِ رسالتؐ) کے سگے بھائی تھے۔ دونوں کی والدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ ہیں۔ عبد المطلب کا لقب

شیبۃ الحمد ہے کیونکہ ان کے سر پر سفید بالوں کا ایک گچھا تھا۔ آپ کی کنیت ابوالبطحا ہے کیونکہ اہلِ مکّہ ان کی وجہ سے پانی سے سیراب ہوتے تھے۔ لہٰذا وہ اس کنیت سے آپ کو پکارنے لگے۔ آپ کو عبدالمطلب اس لئے کہا گیا کہ مکّہ میں حاجیوں کے لئے پانی کا انتظام اور مہمان داری آپ کے ذمّہ تھی۔ ہاشم نے مدینہ میں بنی نجار کے گھرانے میں ایک خاتون سے شادی کی تھی۔ جس کا نام سلمیٰ بنتِ عمر تھا۔ اس کے بطن سے شیبۃ الحمد مدینہ میں سنہ ۴۹۷ء میں پیدا ہوئے اور مکہ میں جناب ہاشم وفات پا گئے۔ جناب ہاشم کا نام عمرو اور ہاشم لقب ہے۔ اس لقب کی وجہ یہ ہے کہ مکّہ میں قحط سالی ہوئی اور تمام اہلِ مکہ سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئے تو جناب ہاشم ان کے لئے روٹی کے ٹکڑوں کا چورا بناتے اور انھیں کھلاتے تھے۔ عبد مناف کا نام مغیرہ اور قصیٰ کا نام زید تھا۔ قصیٰ کی والدہ فاطمہ بنتِ سعد تھیں۔ کلاب کی والدہ ہند بنت سوید بن ثعلبہ تھیں۔ اور مرہ کی ماں کا نام مغشیۃ بنتِ شیبان تھا۔ اور کعب کی والدہ مادیہ بنت کعب تھیں۔ لوی کی والدہ کا نام عاتکہ بنت خالد بن نضر بن کنانہ تھا۔ غالب کی والدہ کا نام لیلیٰ بنت حرث اور فہر کی والدہ جندلہ بنت عامر جرہمیہ تھیں۔ قصیٰ کے بعد فہر ہی تھے جنھوں نے قریش کو دوبارہ مجتمع کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ نضر بن کنانہ کا لقب قریش ہے اور جو اولادِ نضر میں سے نہیں اسے قریش نہیں کہا جا سکتا اور پہلے قول کی بنا پر جو قصیٰ کی اولاد سے نہیں وہ قریش نہیں ہو سکتا۔ اور قریش کے معنی جمع کرنا اور نیک کہنا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ قریش ایک سمندری جانور کا نام ہے۔ جو دیگر سمندری جانوروں کو کھا جاتا ہے۔ اسی کے نام پر قریش کا یہ نام پڑا۔

مالک کی والدہ عرابۃ بنت سعد بن قیس غیلان تھیں۔ نضر اور کنانہ کی ماؤں کے نام نہیں ملتے۔ خزیمہ کی والدہ سلمہ بنت اسلم قضاعیہ اور مدرکہ کا نام عمرو تھا۔ ان کی والدہ خندف اور بعض کے نزدیک لیلیٰ بنت حلوان قضاعیہ تھیں اور الیاس

والدہ رباب بنت جیدت بن معد ہیں۔ اور مضر کی والدہ کا نام سودہ بنت عک اور نزار کی معانتہ بنت جوشم اور معد کی والدہ ہوزہ سلمیہ ہیں۔

اسمِ گرامی علماء میں اختلاف ہے کہ آپ کا نام علی کیسے رکھا گیا۔ مجاہد کا قول ہے کہ ولادت کے وقت آپ کی والدہ نے یہ نام رکھا اور عطا کہتا ہے کہ والدہ نے نام تو حیدر رکھا تھا اور اسی کی دلیل آپ کا خیبر کے دن کا یہ قول ہے کہ میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔ جب آپ نے رسولِ اکرم کے دوشِ مبارک پر سوار ہو کر بت توڑے تو بہ سبب علو، رفعت و شرف کے نام علی ہوا۔ مجاہد کا قول زیادہ واضح ہے کیونکہ روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی والدہ نے ولادت کے وقت ہی یہ نام رکھا تھا۔ اور حضرت علیؑ کی والدہ کا علیؑ نام رکھنا حیدر کے ساتھ بھی منافات نہیں رکھتا۔ کیونکہ حیدر شیر کا ایک نام ہے، اس کی گردن اور بازوؤں کی درشتی اور سختی کی وجہ سے اور اسی طرح امیرالمومنین کا اصلی نام تو علیؑ ہے اور حیدر آپ کی صفت ہے۔ رسول اللہ نے آپ کا نام ذوالقرنین رکھا۔ سلمہ ابن طفیل نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ آپ فرماتے ہیں مجھ سے رسول اللہؐ نے فرمایا یقیناً تیرے لئے جنت میں ایک قصر ہے اور تو اس اُمت کا ذوالقرنین ہے، اس حدیث کو امام احمد نے اپنے مسند میں ذکر کیا ہے۔ نیز اس کتاب میں بھی ذکر کیا ہے کہ جس میں فضائل امیرالمومنین جمع کئے ہیں۔ نسائی نے بھی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

آپ کو بطین بھی کہا جاتا ہے کیونکہ آپ میں علم لبریز تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے اگر میرے لئے مسندِ علم بچھا دی جائے تو میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ" کی تفسیر اتنی بیان کردوں کہ جس سے ایک اونٹ کا بار ہو جائے۔

آپ کو انزع بھی کہا جاتا ہے کیونکہ آپ کو کبھی شرک نے مس نہیں کیا۔

آپ کو اسد اللہ اور اسدالرسول بھی کہا جاتا ہے۔ یعسوب المومنین بھی آپ کو

بیٹھتی ہیں۔ یعسوب شہد کی مکھیوں کے سردار کو کہتے ہیں۔ وہ سب مکھیوں میں زیادہ عقلمند ہوتا ہے۔ چھتے کے دروازے پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ جب کوئی مکھی وہاں سے گزرتی ہے تو وہ اس کے منہ کو سونگھتا ہے اگر اس سے بو سڑے ہوئے تو وہ سمجھ لیتا ہے کہ کسی بدبودار پودے سے رس لے کر آئی ہے۔ پس اس مکھی کو دو ٹکڑے کر دیتا ہے اور چھتے کے دروازے پر پھینک دیتا ہے۔ تاکہ دوسری مکھیوں کو عبرت کا باعث ہو۔ اسی طرح حضرت علیؓ جنت کے دروازے پر کھڑے ہو جائیں گے۔ اور لوگوں کو سونگھیں گے۔ جس سے اپنے بغض کی بو آئے گی اسے جہنم میں ڈال دیں گے۔

کتاب صواعق میں ہے کہ یعسوب شہد کی مکھیوں کا بادشاہ ہے اور یہی لفظ سردار کو یعسوب کہا جاتا ہے۔ اور امیرالمومنین شہد کی مکھیوں کے مشابہ بھی ہیں کیونکہ شہد کی مکھی پاک و طیب چیز کھاتی ہے اور پاک و پاکیزہ چیز اس سے نکلتی ہے جو مومنین کے امیر ہیں۔ اور آپ کو ولی۔ وصی۔ تقی۔ قاتل الناکثین والقاسطین والمارقین۔ صاحب لواء۔ خاصف النعل۔ کاشف الکرب۔ ابوالریحانتین۔ اور بہت سے القاب سے آپ کو یاد کیا جاتا ہے۔

کنیت آپ کی کنیت ابوالحسن۔ ابوالحسنین۔ ابوالقاسم۔ ابو تراب اور ابو محمد ہے۔ اور نبی کریمؐ نے آپ کی کنیت ابو تراب رکھی۔ اور یہ حدیث مسند۔ بخاری اور مسلم میں موجود ہے کہ امام احمد نے سہل ابن سعد سے روایت کی ہے کہ ایک شخص سہل ابن سعد کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ فلاں شخص منبر پر علیؓ کا ذکر کرتا ہے۔ سہل نے کہا وہ کیا کہتا ہے۔ اس نے جواب دیا وہ آپ کو ابو تراب کہتا ہے۔ وہ ابو تراب پر (معاذ اللہ) لعنت کرتا ہے۔ سہل غضبناک ہو گئے اور کہنے لگے خدا کی قسم یہ کنیت تو آپ کی رسول اللہؐ نے ہی رکھی ہے کوئی بھی

علیؑ کے نزدیک اس سے زیادہ محبوب نہیں تھا۔ زہری کا بیان ہے کہ اس وقت علیؑ کو سب کرنے والا مروان بن الحکم تھا۔ کیونکہ یہ (خبیث) معاویہ کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا اور معاویہ بن ابو سفیان نے ابو تراب پر سب وشتم کرنے کے احکامات جاری کر رکھے تھے۔ اور یہ کیفیت (سب علیؑ) عمر بن عبدالعزیز کے زمانے تک جاری رہی جس نے اسے بند کرایا۔

شکل وشباہت آپ متوازن جسم۔ کشادہ آنکھیں۔ مضبوط بازو۔ میانہ قد اور عریض الجبیت تھے۔ آپ خضاب نہیں لگاتے تھے۔ اور ایک روایت ہے کہ آپ ڈاڑھی پر پہلے مہندی لگایا کرتے تھے پھر اسے ترک کر دیا۔

والد گرامی حضرت ابو طالب کا نسب بیان کیا جا چکا ہے۔ جب حضرت ابو طالب کے والدِ گرامی حضرت عبدالمطلب کا وقت وفات قریب آیا تو انھوں نے ابو طالب کو اپنا وصی مقرر کیا اور رسول اللہؐ کے معاملے میں ان سے وصیت کی۔ مجاہد نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ بنی مذحج قیافہ شناس لوگوں کی ایک جماعت نے عبدالمطلب سے کہا جب انھوں نے رسول اللہؐ کے قدموں کے نشان دیکھے کہ اے ابو البطحی اس کی حفاظت کیجیے کیونکہ ہم نے اس قدم سے زیادہ مشابہ کوئی قدم نہیں دیکھے اس قدم کے ساتھ جو مقام ابراہیم میں موجود ہے تو عبدالمطلب نے ابو طالب سے کہا کہ سنتے ہو یہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ یقیناً میرے اس بیٹے کے لئے ایک خاص ملک ہے۔ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد حضرت ابو طالب نے رسولِ کریمؐ کی مدد اور کفالت کے لئے بہترین انتظام کیا۔ حد سے زیادہ محبت کرتے تھے اپنے پہلو میں سلاتے تھے اور اپنی اولاد سے انھیں مقدم رکھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے بیٹا تمہارا چہرہ بابرکت ہے۔ حضرت ابو طالب نے رسول اللہؐ کی مدد کے لئے آپ کی ولادت کے آٹھویں سال سے لے کر اعلانِ نبوت کے دسویں

سال تک قیام کیا۔ اور یہ بیالیس سال بنتے ہیں۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ مجھ سے واقدی نے بیان کیا کہ حضرت علی نے کہا۔ جب میرے والد محترم (ابو طالب) نے وفات پائی تو میں نے آنحضرت کو اطلاع دی۔ آپ بہت شدت سے روئے پھر مجھ سے فرمایا کہ جاؤ انھیں غسل دو اور کفن پہناؤ اور دفن کرو۔ خدا ان پر اپنی مغفرت نازل فرمائے اور رسول خدا ابو طالب کے لئے کئی دن تک دعا و استغفار کرتے رہے اور گھر سے باہر نہیں نکلے۔

والدہ ماجدہ آپ کی والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف ہیں۔ وہ اسلام لائیں اور مدینہ کی طرف ہجرت کی اور مدینہ میں ۴ ہجری میں وفات پائی۔ ان کے جنازہ پر سرکار رسالت حاضر ہوئے۔ نماز جنازہ پڑھی۔ ان کے لئے دعائے خیر کی۔ اپنی قمیض عنایت فرمائی۔ اور وہ قمیض بطور کفن انھیں پہنائی گئی۔

زہری کہتا ہے کہ رسول اللہ فاطمہ کی زیارت کے لئے جایا کرتے اور ان کے گھر میں قیلولہ فرماتے۔ وہ نیک و صالحہ خاتون تھیں۔ زہری کا بیان ہے کہ فاطمہ نے رسول اللہ کو یہ کہتے سنا کہ لوگ قیامت کے دن ننگے محشور ہوں گے تو فاطمہ نے کہا ہائے رسوائی جناب رسالت مآب نے فرمایا کہ میں خدا سے سوال کروں گا کہ آپ کو لباس کے ساتھ محشور کرے۔ زہری کہتا ہے کہ فاطمہ بنت اسد نے ایک مرتبہ رسول اللہ کو عذاب قبر کے متعلق بیان کرتے ہوئے سنا تو کہا کہ ہائے کمزوری۔ آپ نے فرمایا میں خدا سے سفارش کروں گا کہ وہ اس سے آپ کو محفوظ رکھے۔

فاطمہ بنت اسد خانہ کعبہ کا طواف کر رہی تھیں جبکہ علیؑ ان کے شکم میں تھے۔ انھیں دردِ زہ شروع ہوا تو ان کے لئے دیوار کعبہ شق ہو گئی۔ وہ اندر داخل ہو گئیں اور وہیں حضرت علی کی ولادت ہوئی۔

ابن عباس کا قول ہے کہ یہ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے مکہ سے پا برہنہ چل کر مدینہ کی طرف ہجرت کی اور یہ پہلی مخدرہ ہیں جنھوں نے خدیجہ کے بعد محمدؐ رسول اللہ کی مکہ میں بیعت کی۔

اولاد اطہار علماء سیر و تواریخ کا اتفاق ہے کہ آپ کی ۳۳ اولادیں ہیں۔ چودہ۱۴ فرزند اور انیس۱۹ بیٹیاں۔ حسنؑ۔ حسینؑ۔ زینب کبریٰ۔ ام کلثوم۔ ان کی والدہ فاطمہؑ بنت رسول اللہ ہیں۔ آپ کے ایک اور بیٹا بھی ہوا جس کا نام محسن تھا۔ جناب فاطمہ بنتِ رسولِ اکرمؐ آپ کی پہلی زوجہ ہیں۔ اور جن کی وفات تک آپ نے کسی خاتون سے شادی نہیں کی۔

محمد ابن حنفیہ۔ ان کی والدہ خولہ بنت جعفر ہیں جو بنی حنفیہ میں سے تھیں۔ آپ کے چھٹے فرزند عبداللہ جن کی والدہ لیلیٰ بنت مسعود ہیں جو بنی تمیم سے تھیں۔ ساتویں بیٹے ابو بکر ہیں جو امام حسین کی معیت میں شہید ہوئے۔ ان کی والدہ بھی لیلیٰ بنت مسعود ہیں۔ آٹھویں حضرت عباسؑ جو کربلا میں فوجِ حسینی کے علمبردار تھے۔ نویں عثمان۔ دسویں جعفر اور گیارہویں عبداللہ ہیں۔ جو امام حسین کی معیت میں شہید ہوئے۔ ان کی والدہ ام البنین بنت خرام ہیں۔ ام البنین سے حضرت علیؑ کی شادی جناب فا[illegible] کے بعد ہوئی۔ بارہویں اصغر ہیں یہ بھی امام حسین کے ساتھ شہید [illegible] تیرھویں یحییٰ اور چودھویں عون ہیں۔ ان دونوں کی والدہ اسماء بنت عمیس ہیں۔ جعفر بن ابی طالب نے اسماء سے شادی کی تھی۔ وہ شہید ہوئے تو اسماء نے ابو بکر سے شادی کر لی ان کے بعد حضرت علیؑ نے اسماء سے نکاح کیا۔ پندرھویں عمر اکبر اور سولہویں رقیہ ان دونوں کی والدہ صہبا ہیں۔ صہبا کو ام حبیب بنت ربیعہ کے نام سے پکارا جاتا ہے یہ بنی وائل سے تھیں۔ عمر اکبر راوی حدیث اور فاضل تھے۔ انھوں نے اسماء بنت عقیل بن ابی طالب سے شادی کی اور پچاس سال زندہ رہے۔ سترھویں محمد اوسط ہیں۔ ان کی

ماں امامہ بنت عاص بن ربیع تھیں۔ اٹھارھویں ام حسن انیسویں ام حسین اور بیسویں رملہ تھیں۔ اکیسویں ام ہانی۔ بائیسویں میمونہ۔ تیئسویں زینب صغریٰ چوبیس ویں رملہ صغریٰ پچیس ویں امّ کلثوم صغریٰ چھبیس ویں فاطمہ ستائیس ویں امامہ اٹھائیس ویں خدیجہ انتیس ویں ام الکرام تیس ویں ام جعفر اکتیس ویں جمانہ بتیس ویں نفیسہ کہتے ہیں کہ ایک اور (۳۳) بیٹی تھی جو صغر سنی میں ہی فوت ہوگئی نام کسی نے نہیں لکھا۔

امیرالمومنین حضرت علی کی نسل صرف امام حسنؑ۔ امام حسینؑ۔ محمد حنفیہ۔ عباسؑ عمر اور محمد اصغر سے چلی۔

خلافتِ ظاہرہ : علماء سیر و تاریخ مثلاً طبری۔ واقدی اور ہشام بن محمد وغیرہ کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ کی بیعتِ خلافت قتلِ عثمان کے ساتھ ہوئی۔ اور وہ ہفتہ ۱۸ ذی الحجہ کا دن تھا بعض تیرہ تاریخ بتاتے ہیں اور بعض جمعہ کا دن اور پچیس ذی الحجہ کہتے ہیں۔ اور یہ ۳۵ھ کی بات ہے۔ آپ کی بیعت پر تمام مہاجرین اور انصار نے اتفاق کیا۔ زہری کہتا ہے تعجب ہے کہ عبداللہ بن عمر اور سعد بن ابی وقاص نے حضرت علیؑ کی بیعت تو نہ کی اور یزید بن معاویہ کی کر لی۔

عبداللہ بن احمد بن حنبل نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ خدا کی قسم خلافت نے علیؑ کو زینت نہیں دی بلکہ علی نے خلافت کو زینت دی ہے سب سے پہلے آپ کی بیعت طلحہ نے کی پھر زبیر اور تمام صحابہ نے۔

حدیث = شیعانِ امیرالمومنین : ابن خطریف کہتا ہے۔ ابی سعید خدری سے روایت ہے کہ سرکار رسالت نے حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کی طرف دیکھا اور فرمایا یہ اور اس کے شیعہ قیامت کے دن کامیاب ہیں۔

وفاتِ حسرت آیات : امام احمد نے کتاب فضائل میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا۔ اے علیؑ کیا جانتے ہو کہ اولین

کا بد ترین شخص کون تھا۔ میں نے عرض کی کہ خدا اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا ناقہ صالح کی کونچیں کاٹنے والا۔ پھر فرمایا جانتے ہو آخرین کا بد ترین کون ہے میں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا جو اس کو اس سے خضاب کرے گا۔ یعنی میری داڑھی کو سر کے خون سے۔ نیز یہی روایت احمد کے بیٹے عبداللہ نے اپنی کتاب 'زہد' میں اپنی سند سے اپنے باپ سے نقل کی ہے۔ اور امام احمد نے مسند میں کہا ہے کہ زید بن وہب سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ حضرت علیؑ کی خدمت میں اہلِ بصرہ کے خارجیوں کا ایک وفد حاضر تھا۔ ان میں ایک شخص تھا جس کا نام جعدہ بن نعجہ تھا۔ تو وہ خبیث آپ سے کہنے لگا۔ خدا سے ڈریئے آپ مرنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا بلکہ میں شہید ہونے والا ہوں۔ اس پر ضرب لگے گی جس سے یہ خضاب ہوگی یعنی ریش مبارک سر کی ضربت سے۔ یہ ایک عہد کیا گیا ہے اور فیصلہ ہو چکا ہے اور غائب و فاسد ہے۔ وہ جو افترا باندھے۔ ابو نعجہ نے آپ کے لباس کی درشتی پر آپ کو عتاب کیا تو فرمایا یہ تکبر سے دور اور اس قابل ہے کہ مسلمان اس کی اقتدا کریں۔

مورخین کا اتفاق ہے کہ جمعہ کی شب مسجد کوفہ میں آپ سجدہ میں تھے کہ ابنِ ملجم نے آپ کے سر پر کاری ضرب لگائی۔ آپ جمعہ اور ہفتہ کے دن زندہ رہے اور اتوار کی رات رحلت فرمائی۔ آپ کے دونوں بیٹوں حسنؑ اور حسینؑ اور عبداللہ بن جعفر نے غسل دیا اور نمازِ جنازہ امام حسنؑ نے پڑھائی۔ اور آپ پر چار، بعض نے کہا پانچ اور بعض نے کہا کہ چھ یا سات تکبیریں کہی گئیں۔

آپ کی عمر ۶۳ سال ہوئی۔ رسولِ اکرمؐ کی عمر کے برابر۔ یہ قول ابن جریر نے جعفر بن محمدؑ سے نقل کیا ہے اور واقدی نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک بھی یہی ثابت ہے۔ آپ کی ظاہری خلافت تین ماہ کم پانچ سال رہی۔ کیونکہ آپ کی

بیعت ۱۸ ذی الحجہ کے دن سنہ ۳۵ھ میں کی گئی اور رمضان سنہ ۴۰ھ میں آپ شہید ہوئے۔

میراث امیر المومنینؑ : علماء تاریخ کا اتفاق ہے کہ آپنے کوئی دینار و درہم نہیں چھوڑے۔

انگشتری : آپ کی انگوٹھی پر نقش تھا: اللہ الملک علی عبدہ یعنی اللہ ہی اپنے بندہ کا مالک و بادشاہ ہے آپ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور اسی طرح امام حسنؑ اور امام حسین بھی۔

حضرت امام حسنؑ ابن علی علیہ السلام

آپ کا نام حسنؑ ابنِ علیؑ بن ابی طالب۔ کنیت ابو محمدؐ۔ لقب نقی۔ طیبؑ، ذکی۔ سید۔ سبط۔ ولی۔ حجت اور قائم ہے۔ سب سے بہتر لقب آپ کا سیدؑ ہے کیونکہ رسولِ خدا اسی نام سے پکارتے تھے۔ جب آپ پیدا ہوئے تو رسولِ مقبول نے آپ کا نام حسنؑ رکھا۔ آپ کے کان میں اذان کہی۔ سر کے بال ترشوائے اور ان بالوں کے برابر چاندی خیرات کی اور ضیافت بھی کی۔ اسی روز سے عقیقہ کی رسم سنت قرار پائی۔ آپ کی ولادت مدینہ منورہ میں پندرہ ۱۵ رمضان المبارک سنہ ۳ھ میں ہوئی۔ آپ حضرت علیؑ کی پہلی اولاد ہیں۔ کچھ محققین کا خیال ہے کہ آپ چھ ماہ بعد پیدا ہوئے۔ اگرچہ کوئی بچہ اتنے دنوں کا زندہ نہیں رہا بجز آپ (حسنؑ بن علی) اور عیسیٰ بن مریم کے بعض کا کہنا ہے کہ حسینؑ بن علیؑ کی ولادت بھی چھ ۶ ماہ میں ہوئی۔

امام حسنؑ رسولِ خدا سے بہت مشابہ تھے۔ وقتِ رحلتِ رسولؐ آپ کی عمر آٹھ ۸ سال تھی اور وقتِ شہادت امیرالمومنین آپ کی عمر سینتیس ۳۷ برس تھی۔ لوگوں نے متفقہ طور پر آپ کی خلافتِ ظاہری کے چھ ۶ ماہ اور تین ۳ دن بتائے ہیں۔ اور دس سال تک اجداد کی زیارت اور اللہ کی عبادت میں مشغول رہے۔ ماہِ صفر سنہ ۵۰ھ میں جب آپ کی عمر سینتالیس ۴۷ برس کی تھی معاویہ کی کوشش اور لالچ سے جعدہ بنتِ اشعث نے آپ کو زہر دے دیا۔ جس کے اثر سے آپ نے شہادت پائی۔ آپ کے بھائی اور وصی امام حسینؑ نے آپ کی تجہیز و تکفین فرمائی۔

آپ کی اولاد کی تعداد میں بعض لوگوں نے کچھ اختلاف کیا ہے۔ کسی نے گیارہ پسر اور ایک دختر اور کسی نے اس سے کچھ زیادہ لیکن کسی نے بہت کم تعداد بتائی ہے۔ لیکن پہلی روایت صحیح ہے آپ کے صاحب زادوں میں سب سے جلیل القدر زید بن حسنؑ تھے جن کی عمر نوّے ۹۰ سال ہوئی۔ دوسرے بیٹے حسنؑ بن حسن جو متقی و پرہیزگار تھے۔ ان کی عمر پینتیس ۳۵ سال ہوئی۔ آپ میدانِ کربلا میں امام حسینؑ کے ہمراہ تھے۔ زخمی ہونے کے بعد اسمار بن خارجہ آپ کو لاشوں میں سے نکال کر لے گیا۔ علاج و معالجہ سے آپ رو بہ صحت ہو گئے اور فاطمہ بنت حسینؑ سے آپ کا عقد ہوا۔ دوسرے فرزندانِ امام حسن۔ حضرت قاسم بن حسنؑ۔ عبداللہ بن حسنؑ اور عمر بن حسنؑ کربلا میں شہید ہوئے۔ عبدالرحمٰن بن حسنؑ نے امام حسینؑ کی مکہ روانگی کے وقت وفات پائی۔ اور حسین بن حسنؑ و طلحہ بن حسنؑ نے مع دوسرے تین بیٹوں کے مدینہ میں رحلت کی۔ اس پر سب کو اتفاق ہے کہ امیرالمومنین نے وقتِ وفات اپنا وصی اور جانشین امام حسن کو منتخب فرمایا۔ اپنے خاندان اور اہلِ شہر کو جمع کر کے وہ چیزیں جو پیغمبرِ اسلام سے آپ تک پہنچی تھیں امام حسنؑ کے سپرد فرما کر کہا کہ رسولِ کریمؐ نے مجھے حکم دیا تھا کہ یہ تبرکات تمہارے سپرد کر دوں لہٰذا میں وصیت کرتا ہوں کہ تم بھی وقتِ رحلت یہ تبرکات حسینؑ کے سپرد کر دینا۔ پھر امام حسینؑ کی طرف رُخ کر کے فرمایا کہ تم بھی یہ چیزیں جب وقتِ رحلت آئے تو اپنے بیٹے زین العابدینؑ کے سپرد کر دینا۔ جن کی عمر اس وقت دو سال چند ماہ تھی۔ پھر امام حسنؑ نے اس کمسن بچے کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ بیٹے یہ امانتیں تم (امام) محمد باقر کے سپرد کر دینا اور ساتھ ہی میرا اور آنحضرتؐ کا سلام محمد باقر تک پہنچا دینا۔

مشہور ہے کہ امام حسنؑ سے زیادہ رسول مقبولؐ سے کوئی مشابہ نہ تھا۔

انس بن مالک کہتے ہیں کہ جب میں امام حسنؑ کو دیکھتا تھا تو بے ساختہ رو پڑتا تھا۔ کیوں کہ وہ شکل وصورت میں بالکل رسول اللہ تھے۔ بخاری نے اپنی "صحیح" میں لکھا ہے کہ لوگ بعد نماز مسجد سے آرہے تھے۔ ابوبکر نے امام حسنؑ کو باہر کھیلتے ہوئے دیکھا۔ اُٹھا کر کندھے پر بٹھا لیا اور کہا میرا باپ آپ پر قربان کہ آپ نبیؐ کے بالکل مشابہ ہیں نہ کہ علی کے۔ حضرت علیؑ نے سنا اور تبسم فرمایا۔ آپ جس طرح صورت میں رسولِ کریمؐ کے مشابہ تھے۔ اسی طرح سیرت میں بھی سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ آپ کے معجزات کی کوئی حد نہیں ہے۔

کتاب کشف الغمۃ میں مرقوم ہے کہ سفرِ مکہ میں اولادِ زبیر سے ایک شخص ہمسفر تھا اور آپ کی امامت پر اعتقاد رکھتا تھا۔ راستہ میں بغرض آرام ایک منزل پر درخت کے نیچے فرش پر سب بیٹھے ہوئے تھے ابن زبیر نے درخت کی طرف دیکھا اور کہا کاش اس درخت میں پھل ہوتے اور ہم کھاتے۔ امام حسنؑ نے دریافت کیا کہ رطب کی آرزو ہے۔ کہا ہاں۔ امام نے دست مبارک بارگاہِ قاضی الحاجات میں بلند کئے۔ ادھر دعا تمام ہوئی اُدھر درخت پھل سے لدا ہوا نظر آیا۔ ایک اونٹ والا جو ہمراہ تھا اس نے یہ دیکھ کر کہا۔ واہ کیا عجیب جادو دکھایا ہے۔ امام حسنؑ نے فرمایا ولئے ہو تجھ پر اس کو تو سحر سمجھ رہا ہے۔ یہ جادو نہیں ہے بلکہ دعائے فرزندِ رسولؐ ہے۔ پھر سب نے رطب سیر ہو کر کھائے

آپ کی سیرت کے متعلق یہ واقعہ کافی ہے کہ ایک رات آپ ایک راہ سے گزر رہے تھے کہ سنا ایک شخص درگاہِ الٰہی میں مناجات کر رہا ہے کہ اے کریم میں تجھ سے دس ہزار درہم چاہتا ہوں تاکہ اپنا قرض ادا کروں اور باقی اپنی ضروریات میں صرف کروں۔ آپ نے اس کی فریاد سُنی۔ گھر تشریف لائے پوچھا ہمارے پاس کتنی رقم ہے۔ معلوم ہوا دس ہزار درہم موجود ہیں۔ آپ نے

وہ سب رقم اس شخص کے گھر پہنچا دی۔ حافظ ابو نعیم جو مشاہیر اہل سنت سے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ آپ نے دو مرتبہ تمام مال و اسباب راہِ خدا میں تقسیم کر دیا۔ اور اپنے واسطے کچھ نہ رکھا۔

باوجود اس کے کہ آپ کے جد رسولِ خدا۔ والدِ بزرگوار علیؑ مرتضیٰ اور والدۂ محترمہ فاطمہؑ زہرا تھیں۔ خوفِ آخرت پھر بھی اس قدر تھا کہ امام حسینؑ نے جب آپ کو وقتِ رحلت گریاں دیکھا تو بھائی سے کہا کہ آپ تو وہاں جا رہے ہیں جہاں نانا رسولِ خداؐ۔ والد علیؑ مرتضیٰ والدۂ محترمہ زہرہؑ اور چچا جعفر طیار ہیں پھر گریہ کیوں فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا بھائی تم نے سچ کہا۔ میں ان کے پاس جا رہا ہوں جن کے اعمال کے سامنے میرا دامن خالی ہے۔ اس کے بعد امام حسنؑ ابن علیؑ نے امانتِ امامت امام حسینؑ کے سپرد فرما کر وصیت کی کہ تم مجھے جب نانا رسولِ خداؐ کے پہلو میں دفن کرنے لے جاؤ اور وہاں کوئی روکنے والا روکے اور مجھے وہاں دفن نہ ہونے دے تو میں تمہیں رسولِ مقبولؐ اور بابا علیؑ مرتضیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ صبر کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے ایک قطرہ خون بھی زمین پر گرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب آپ کو جدّ بزرگوار کے پہلو میں دفن کرنے کے لئے لے جایا گیا تو مخالفین کی جماعت مانع ہوئی۔ اور نواسۂ رسولؐ کے جنازے پر اشک باری کے بجائے تیروں کی بارش ہوئی۔ مخالف ہنسے اور تاریخ آج تک رو رہی ہے۔ ہاشمی جوانوں نے بھی تلواریں نیام سے نکال لیں۔ قریب تھا کہ خون کا دریا بہہ جائے۔ صابر امام کے صابر بھائی حسینؑ نے وصیت کے مطابق بپھرے ہوئے شیروں کا رخ جنت البقیع کی طرف موڑ دیا یہ دوسرا معصوم امام اپنی مادرِ اطہر فاطمہ زہراؑ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

سیّد الشہدا امام حسین علیہ السّلام

آپ کی کنیت ابو عبد اللہ۔ القاب۔ سید۔ وفی۔ مبارک۔ سبط اور شہید کربلا ہیں۔ آپ ماہِ شعبان ۴ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت چھ ماہ میں ہوئی۔ یہ خصوصیت صرف آپ کو۔ حضرت یحییٰ ابن زکریاؑ اور حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کو حاصل ہوئی۔

ابن سعد سے روایت ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے تو رسول اللہؐ نے کان میں اذان کہی۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ رسولؐ اللہ حسینؑ سے بے انتہا محبت کرتے اور انھیں اپنے کاندھوں پر سوار فرماتے اور ان کے ہونٹوں اور دانتوں کے بوسے لیا کرتے تھے۔ امام احمد نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا حسنؑ و حسینؑ جوانانِ جنت کے سردار ہیں ترمذی نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن و صحیح ہے۔ عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا یہ دونوں (حسنؑ و حسینؑ) میرے بیٹے ہیں۔ جو ان سے محبت کرے گا اس نے مجھ سے محبّت کی۔ اور جو ان سے بغض رکھے اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ امام احمد نے کتابِ فضائل میں حضرت علیؑ بن حسینؑ سے انھوں نے اپنے والدِ گرامی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے حسنؑ و حسینؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا جو شخص مجھ سے ان دونوں سے اور ان کے باپ سے محبّت رکھتا ہے وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہوگا۔

ابن سعد نے طبقات میں ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن عبید کہتا ہے کہ امام

حسینؑ نے پچیس ۲۵ حج پاپیادہ ادا کیے حالانکہ سواریاں ان کے ساتھ ہوتی تھیں۔ ابن عباس حسنؑ اور حسینؑ کی رکاب تھاما کرتے تھے تاکہ یہ دونوں حضرات سوار ہو جائیں۔ اور کہا کرتے تھے کہ یہ دونوں فرزندانِ رسولؐ اللہ ہیں۔

شیخ مفید علیہ الرحمہ نے آپ کی عمر اٹھاون سال بتائی ہے۔ آپ کے چھ فرزند تھے۔ علی اکبر۔ علی اوسط۔ علی اصغر۔ محمد۔ عبداللہ اور جعفر۔ علی اوسط یعنی امام زین العابدین علیہ السلام کے علاوہ سب کربلا میں شہید ہو گئے۔ مورخین نے آپ کی تین بیٹیاں بتائی ہیں جن کے نام زینب۔ سکینہ اور فاطمہ تھے۔

آپ کی زیارتِ قبر کا ثواب ضبطِ تحریر سے باہر ہے۔ رسولِ خداؐ نے اپنے نواسے حسینؑ کو واقعۂ کربلا اور شہادت کی خبر سنائی تو آپ نے دریافت کیا بعد شہادت میری قبر پر زیارت کو کوئی آئے گا آنحضرت نے فرمایا۔ ہاں میری امت کے بہت سے نیک بندے تمہاری زیارت کو آتے رہیں گے اور مجھ سے اُمیدِ شفاعت رکھیں گے۔ خدا ان کو روزِ قیامت درجاتِ عالیہ پر فائز فرمائے گا۔ آپ یہ سن کر خوش ہوئے۔

آپ کوفہ کے سفر میں ایک منزل پر قیام پذیر تھے کہ عرب کا مشہور شاعر فرزدق آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے فرزندِ رسول آپ نے کوفہ کا قصد کیوں کیا ہے جب کہ کوفہ والوں نے آپ کے بھائی مسلم بن عقیل کو شہید کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ خدا مسلم پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور باغِ فردوس میں جگہ دے۔ انھوں نے اپنا فرض ادا کیا باقی فریضہ ہمیں ادا کرنا ہے۔ امام حسینؑ کوفہ سے روانہ ہو کر کربلا پہنچے تو ابن زیاد نے آپ کو چہار طرف سے گھیر لیا۔

ابن بابویہ اور ابنِ طاؤس نے یزیدی لشکر کی تعداد ایک لاکھ لکھی ہے۔ اور امام حسینؑ کا لشکر صرف بہتر ۷۲ افراد پر مشتمل تھا۔ مگر اس قلتِ سپاہ کے باوجود

نواسۂ رسولؐ نے وہ جنگ لڑی کہ حیدرِ کرار نے میدانِ جمل و صفین میں اس طرح نہ لڑی ہوگی۔

واقدی کہتا ہے کہ لشکرِ امام حسینؑ کی طرف سب سے پہلے عمر سعد نے تیر پھینکا۔ ہشام بن محمد کا بیان ہے کہ جب امام حسین نے دیکھا کہ وہ ان کے قتل کرنے پر مصر ہیں تو آپ نے قرآنِ مجید اٹھایا اور اسے کھول کر اپنے سر پر رکھا اور بلند آواز سے فرمایا میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب اور میرے نانا رسول اللہ ہیں۔ اے قوم کس بنا پر تم میرے خون کو حلال سمجھتے ہو۔ کیا میں تمہارے نبیؐ کی دختر کا فرزند نہیں ہوں۔ کیا تمھیں میرے جد کا یہ ارشاد میرے اور میرے بھائی کے متعلق نہیں پہنچا کہ یہ دونوں نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ اگر تم میری بات کی تصدیق نہیں کرتے تو جابر۔ زید بن ارقم اور ابو سعید خذری سے پوچھ لو۔ آپ نے سوال کیا۔ جعفر طیار کیا میرے چچا نہیں ہیں۔ امام نے مزید فرمایا اللہ اکبر مجھے میرے جد رسول اللہ نے خبر دی ہے کہ میں نے دیکھا ہے گویا ایک کتا میرے اہلِ بیت کے خون کو پی رہا ہے۔ اور یہ اشارہ شمر کی طرف ہے۔

امام حسین علیہ السلام کے تمام عزیز و انصار شہید ہو چکے تھے۔ آپ تنہا فوجِ یزید کے سامنے کھڑے تھے۔ کہ خیمہ گاہ کی طرف سے گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔ آپ واپس خیموں کی طرف تشریف لائے۔ معلوم ہوا کہ چھ ماہ کا بچہ علی اصغر پیاس سے رو رہا ہے۔ آپ نے بچے کو اپنے ہاتھ پر اٹھایا اور ظالموں کے سامنے لائے اور فرمایا۔ اگر مجھ پر تم کو رحم نہیں آتا تو اس بچہ پر رحم کر دیں کے جواب میں ایک تیر آیا اور بچہ امام حسینؑ کے ہاتھوں پر تڑپنے لگا۔ آپ نے علی اصغر کو وہیں دفن کیا۔ فضا سے ایک آواز آئی۔ اے حسین اس بچے کی فکر نہ کرو جنت میں اس کو دودھ پلانے والی موجود ہے۔

حضرت امام حسینؑ کے عزیز و انصار شہید ہو چکے تھے اب صرف آپ کے بیٹے حضرت امام زین العابدین باقی تھے۔ جو علالت کے باعث مجبور تھے امام حسینؑ اہل حرم سے رخصت ہوئے اور یزیدی لشکر سے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ ظالموں نے آپ پر حملہ کر دیا۔ آپ نے بھی ذوالفقارِ حیدری میان سے نکالی اور جنگ شروع ہوگئی۔ آخر کار آپ زخمی ہو کر گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے اور شمر نے آپ کو شہید کر دیا۔ فوجِ یزید میں فتح کے نقارے بجے اور اہل حرم کے خیموں سے گریہ وزاری کی صدائیں بلند ہوئیں۔ عمر سعد نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا تاکہ جلد از جلد کوفہ پہنچ جائے۔ ہشام بن محمد واقدی اور ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ عمر سعد نے امام حسینؑ اور آپ کے ساتھیوں کے سر اور آپ کی بیٹیاں اور بچے جو باقی رہ گئے تھے انھیں خولی بن یزید اصبحی کے ساتھ ابن زیاد کی طرف روانہ کیا۔ ان میں علی بن حسینؑ بھی تھے جو کہ مریض تھے۔

مفردات بخاری میں ابن سیرین سے مروی ہے کہ جب سر حسینؑ ابن زیاد کے سامنے ایک طشت میں رکھا گیا اور وہ ملعون آپ کے دانتوں پر چھڑی مارتا اور آپ کے حسن و جمال کے متعلق کچھ کہہ رہا تھا۔ اس کے دربار میں انس بن مالک بھی موجود تھے۔ وہ رونے لگے۔ اس دربار میں زید بن ارقم بھی موجود تھے انھوں نے ابن زیاد کو مخاطب کر کے کہا اپنی چھڑی کو اٹھالے۔ خدا کی قسم میں نے بہت دفعہ دیکھا کہ رسول اللہ ان دونوں ہونٹوں کے بوسے لیتے تھے، پھر زید رونے لگے۔ ابنِ زیاد نے ان سے کہا خدا تمہاری آنکھوں کو رلائے۔ اگر تم بڑھاپے کی وجہ سے سٹھیا نہ گئے ہوتے تو میں تمھیں قتل کر دیتا۔ زید کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے اے لوگو تم آج کے بعد غلام ہو گئے ہو، تم لوگوں نے جناب فاطمہؑ کے بیٹے کو شہید کیا اور ابنِ مرجانہ کو اپنا امیر بنالیا۔ خدا کی قسم یہ تم میں سے اچھے لوگوں کو قتل اور

بُرے لوگوں کو غلام بنا کر رہے گا۔ پھر کہنے لگے اے ابن زیاد میں تجھے ایک حدیث سُناتا ہوں جو اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔ میں نے رسول اللہؐ کو دیکھا کہ آپ نے حسنؑ کو اپنے دائیں زانو پر اور حُسینؑ کو بائیں زانو پر بیٹھایا ہوا تھا۔ پھر آپ نے دونوں کے سر کے اگلے حصّے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا خدایا میں ان دونوں اور صالح المومنین (امیر المومنین) کو تیری امان میں دیتا ہوں اے ابن زیاد کس طرح تم نے رسول اللہؐ کی امانت کا خیال رکھا۔ بعض راویوں نے کہا کہ یہ واقعہ یزید بن معاویہ کے ہاں زید بن ارقم کے ساتھ پیش آیا اور ابن جریر نے کہا ہے کہ یزید کے دربار میں ابو برزہ اسلمی تھے۔

عبید بن عمر کہتا ہے کہ میں نے اس قصر (قصر الامارہ کوفہ) میں عجیب بات دیکھی۔ میں نے دیکھا کہ حسینؑ کا سر ابن زیاد کے سامنے رکھا ہوا تھا پھر میں نے دیکھا کہ ابنِ زیاد کا سر مختار کے سامنے رکھا تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ مختار کا سر مصعب بن زبیر کے سامنے رکھا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ مصعب بن زبیر کا سر عبدالملک بن مروان کے سامنے تھا۔ پوچھا گیا کہ یہ سب کچھ کتنی مدّت میں ہوا۔ کہنے لگا تین سال۔ پس تف ہے دنیا کے لئے جو یہاں تک پہنچا دیتی ہے۔

ابنِ زیاد نے سروں کو دوسرے دن اُتارا اور سرہائے شہداء اور قیدیوں کو شام کی طرف یزید بن معاویہ کے پاس روانہ کر دیا۔ شام کے دارالحکومت دمشق میں یزید کا دربار سجا ہوا تھا۔ اس کے سامنے شہدائے کربلا کے سر رکھے ہوئے تھے اور علی بن الحسینؑ (زین العابدین) اور خواتینِ عصمت رسیّوں میں جکڑے کھڑے تھے۔ سید سجّاد نے باآوازِ بلند کہا اے یزید تیرا کیا خیال ہے اگر رسول اللہؐ ہمیں اس طرح رسیّوں میں جکڑا ہوا بے کجاوہ اونٹوں پر دیکھیں تو کیا کہیں گے؟ اس پر تمام لوگ رونے لگے۔

ہشام بن محمد نے اپنے باپ سے اس نے عبید بن عمر سے بیان کیا وہ کہتا ہے کہ قیصر روم کا سفیر دربار یزید میں حاضر تھا۔ وہ یزید سے دریافت کرنے لگا۔ یہ سر کس کا ہے؟ یزید نے کہا حسینؑ کا۔ وہ کہنے لگا کون حسینؑ؟ یزید نے جواب دیا فاطمہؑ کا بیٹا۔ اس نے کہا کون فاطمہؑ؟ یزید نے جواب دیا محمدؐ کی بیٹی۔ سفیر نے کہا محمدؐ تمہارا نبیؐ؟ یزید نے کہا۔ ہاں۔ سفیر نے پوچھا ان کا باپ کون تھا؟ جواب دیا علی بن ابی طالبؑ۔ اس نے کہا علیؑ ابن ابی طالب کون تھا؟ یزید نے کہا ہمارے نبیؐ کا چچا زاد بھائی۔ تو سفیر نے کہا ہلاکت ہے تمہارے لئے اور تمہارے دین کے لئے مسیح کے حق کی قسم تم لوگ نالائق ہو، ہمارے جزیروں میں ایک گرجا ہے جس میں اس گدھے کا کھر رکھا ہے جس پر ہمارے سردار مسیح سوار ہوتے تھے۔ ہم لوگ ہر سال اطراف دنیا سے اس کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ اس پر نذریں مانگتے ہیں اور اسکی تعظیم اسی طرح کرتے ہیں جس طرح تم لوگ خانۂ کعبہ کی کرتے ہو۔ روم کے سفیر نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم باطل پر ہو۔ اور پھر وہ کھڑا ہوگیا اور دوبارہ اس کے پاس واپس نہ آیا۔

محمد بن سعد نے طبقات میں محمد بن عبدالرحمٰن سے بیان کیا ہے کہ میری ایک راس الجالوت (یہودی پادری) سے ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگا کہ میرے اور داؤد کے درمیان ستر پشتیں ہیں اور یہودی میری تعظیم و احترام کرتے ہیں اور تم لوگوں نے اپنے نبی کی بیٹی کے فرزند کو قتل کر دیا ہے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

اسمِ مبارک علیؑ ۔ کنیت ابوالحسن ۔ شیخ مفید علیہ الرحمہ کی روایت کے مطابق آپ کی اولاد پندرہ تھیں ۔ کمال الدین کا قول ہے کہ آپ کے کوئی بیٹی نہ تھی ۔ آپ کی والدہ ماجدہ یزدجرد بن شہریار بن کسریٰ کی بیٹی تھیں ۔ آپ کی عمر ستاون سال ہوئی ۔ دو سال جدّ امجد کا زمانہ دیکھا ۔ دس سال اپنے چچا امام حسنؑ کا دور دیکھا دس سال پدر بزرگوار کے ساتھ گزارے باقی عمر درجۂ امامت میں گزری روز شنبہ ۱۸ یا ۲۵ محرم الحرام کو عبدالملک کی زہر خورانی سے رحلت فرمائی ۔ قبرِ امام حسنؑ کے نزدیک جنّت البقیع میں دفن ہوئے ۔ صاحب کشف الغمہ کے مطابق حضرت امام زین العابدین کے نامِ نامی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک رات جب آپ نماز تہجد میں مشغول تھے ۔ شیطان بصورتِ سانپ آیا اور آپ کے پیر کے انگوٹھے کو منہ میں لے کر اذیت پہنچانے لگا لیکن آپ کے خشوع و خضوع میں فرق نہ آیا ۔ شیطان خجل اور شرمندہ ہو کر واپس گیا ۔ کچھ دیر بعد ہاتفِ غیبی کی آواز سنی گئی (انت زین العابدین) اس روز سے آپ اسی لقب سے مشہور ہو گئے ۔ آپ چونکہ علم و فضل و عمل میں افضل خلائق تھے اور جدّ بزرگوار ۔ عم محترم اور پدر عالی قدر کی امامت پر "نص" تھی ۔ اس لئے امام منصوص من اللہ قرار پائے ۔ حضرت امام حسینؑ کے بعد کوئی بھی اس زمانے میں آپ سے افضل نہ تھا ۔ اور نہ کسی نے بنی امیہ میں

سے امام معصوم ہونے کا دعویٰ کیا۔ بنی ہاشم سے جب محمد حنیفہ آپ کی امامت کے معترف تھے تو اوروں کا کیا ذکر۔

مشہور ہے کہ ایک روز گھر میں آگ لگ گئی لیکن آپ نماز میں مشغول رہے۔ لوگ ہر طرف سے چلائے مگر آپ نے سجدے سے سر نہ اُٹھایا۔ اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو آگ بجھ چکی تھی۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے گھر کی آگ کا بھی خیال نہ کیا۔ امام نے فرمایا۔ اس وقت میرے خیال میں آتشِ دوزخ تھی جو اس سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔

ایک دفعہ عبدالملک بن مروان خانۂ کعبہ میں مشغولِ طواف تھا۔ اسی دوران اس نے امام کو دیکھا کہ مشغولِ طواف ہیں اور اس کی طرف مطلق توجہ نہیں فرماتے تو وہ سخت برہم ہوا اور ایک گوشہ میں امام کو بُلا کر ترش لہجہ میں بولا مجھے دیکھا اور تغافل سے کام لیا۔ اس بات سے خوف نہ آیا کہ جس طرح یزید بن معاویہ نے تمہارے باپ کو قتل کیا کہیں میں تمہیں نہ قتل کرادوں آپ نے جواب دیا کہ میرے پدر بزرگوار کو قتل کرنے والے نے ان کی دنیاوی زندگی ختم کی اور میرے بزرگوار نے اس کی آخرت کو برباد کر دیا۔ اگر تو بھی ویسا ہی بننا چاہتا ہے تو بن جا۔ وہ یہ سُن کر ڈرا اور کہنے لگا۔ میں ایسا کبھی نہیں چاہوں گا بلکہ آپ سے آخرت کا فائدہ حاصل کروں گا۔ اور دنیاوی فائدہ آپ کو پہنچاؤں گا۔ امام علیہ السلام نے وہیں اپنی عبا زمین پر بچھادی اور اس پر کچھ سنگ ریزے ڈال کر دعا فرمائی خداوندا اپنے دوستوں کی منزلت اس کو دکھا دے۔ عبدالملک نے دیکھا کہ سنگ ریزے جواہرات میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ امام نے اس سے فرمایا جس کا خدا کی نظر میں یہ مرتبہ ہو وہ دنیاداروں کا کیوں محتاج بنے اور پھر عبادت میں مشغول ہو گئے۔

کتاب تذکرۃ الخواص میں علامہ سبطِ ابن الجوزی لکھتے ہیں کہ حضرت

امام محمد باقرؑ نے فرمایا میرے والد محترم کا ارشاد ہے کہ ایک گروہ نے خدا کی عبادت اس کے خوف سے کی ہے ۔ یہ غلاموں والی عبادت ہے۔ اور ایک گروہ نے اس کی عبادت جنت کی رغبت میں کی ہے ۔ یہ تاجروں والی عبادت ہے ایک گروہ نے اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے عبادت کی ہے یہ آزاد لوگوں کی عبادت ہے۔

علامہ سبط ابن جوزی لکھتے ہیں کہ ہشام بن عبدالملک نے خلافت پر قبضے سے پہلے حج کے موقع پر کوشش کی کہ حجر اسود کو بوسہ دے لیکن اژدہام کی وجہ سے ممکن نہ ہو سکا ۔ اسی دوران حضرت امام علیؑ بن الحسینؑ تشریف لائے جب لوگوں نے دیکھا تو وہ ایک طرف ہٹ گئے یہاں تک کہ امام نے اطمینان کے ساتھ حجر اسود کو بوسہ دیا ۔جب ہشام نے یہ منظر دیکھا تو سخت متعجب ہوا اور اپنے ایک مصاحب سے غضبناک ہو کر پوچھا یہ کون ہے ۔ لوگوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ فرزدق شاعر پاس ہی کھڑا تھا ۔اس نے یہ سن کر کہا میں ان کو پہچانتا ہوں اور فی البدیہہ امام زین العابدین علیہ السلام کی شان میں ایک قصیدہ کہا جو کتابوں میں موجود ہے ۔ ہشام امام کی مدح سن کر آگ بگولہ ہو گیا اور حکم دیا کہ فرزدق کو قید کر دیا جائے۔ امام نے ایک ہزار دینار فرزدق کے پاس بھیجے لیکن اس نے واپس کر دیئے۔ اور کہلا بھیجا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے میں اس وقت عشق خدا و رسولؐ میں سرشار تھا ۔ اور اس امر میں اُجرت نہیں لوں گا ۔ امام نے فرمایا ہم اہلبیت جو چیز ایک دفعہ دیدیں وہ واپس نہیں لیا کرتے ۔ فرزدق نے یہ عطیہ قبول کر لیا اور ہشام کی ہجو لکھی۔

علامہ سبط ابن جوزی نے زہری کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام ایک دن مسجد سے نکلے تو آپ کے پیچھے ایک شخص ہو لیا اور آپ پر سب وشتم کیا ۔آپ کے غلام اور موالی بھی عقب سے پہنچ گئے ۔ اور انھوں نے اس شخص کی تادیب کرنے

کا ارادہ کیا۔ تو آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو پھر اس سے ارشاد فرمایا کیا تجھے کسی چیز کی ضرورت ہے کہ ہم تیری اعانت کریں تو اس شخص کو شرم آئی تو امام نے اپنا کمبل اس پر ڈال دیا اور اسے ہزار درہم بھی عنایت کئے۔ چنانچہ وہ آدمی اس واقعے کے بعد جب بھی آپ کو دیکھتا تو کہتا میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ فرزندِ رسولؐ ہیں۔

امام زین العابدین نے ۲۵ محرم ۹۵ھ کو وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

علامہ سبط ابن جوزی نے تذکرۃ الخواص میں ابن سعد کی کتاب طبقات کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ کی کئی اولادیں تھیں۔ ۱۔ حسن درج ۲۔ حسین اکبر ۳۔ محمد باقر ۴۔ عبداللہ ۵۔ عمر ۶۔ زید ۷۔ علی ۸۔ خدیجہ ۹۔ حسین اصغر ۱۰۔ ام علی ان کا نام علیہ تھا ۱۱۔ کلثوم ۱۲۔ سلیمان ۱۳۔ ملیکہ ۱۴۔ قاسم ۱۵۔ ام حسین ۱۶۔ ام البنین ۱۷۔ فاطمہ۔

امام محمد باقر علیہ السلام

ابو جعفر محمد بن علی بن حسینؑ بن علیؑ ابن ابی طالب علیہم السّلام اسم مبارک محمدؐ۔ لقب باقر۔ شاکر۔ ہادی۔ کنیت ابو جعفر۔ آپ مادر و پدر دونوں کی طرف سے ہاشمی تھے۔ والد پسر امام حسینؑ اور والدہ دختر امام حسنؑ۔ آپ کی ولادت ۳ ماہ صفر ۵۷ھ مدینہ منورہ میں ہوئی اور رحلت ۱۱۴ھ میں ہوئی۔ عمر ساٹھ سال پائی۔ آپ کا مزار "جنت البقیع" میں ہے۔ آپ کو ابراہیم ابنِ ولید نے زہر دیا جس سے شہادت ہوئی۔ آپ کے پانچ فرزند اور ایک بیٹی تھی۔ جعفرِ صادقؑ۔ عبداللہ ابراہیم عبیداللہ علی اور زینب۔ رنگت گندمی۔ قامت درمیانہ آپکے زمانہ کا شاعر کمیت اور سیّد حمیری۔ آپ کی انگشتری کا نقش (رب لاتذرنی فردا) دربان کا نام جابر جعفی تھا۔ آپ کا لقب باقر ہے اور اسی سے آپ زیادہ مشہور ہیں۔

جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اے جابر امید ہے تو میرے فرزندوں میں سے ایک فرزند جس کا نام باقر ہوگا اور وہ اولادِ حسینؑ سے ہوگا ملاقات کرے گا۔ خدا اس کو علم و حکمت سے بہت نوازے گا۔ جب تجھ سے ملاقات ہو تو میرا سلام پہنچا دینا۔ خواجہ نصیر الدین علیہ الرحمہ اپنے رسالے اوصاف الاشراف میں بیان فرماتے ہیں کہ جب جابر زیارت امام محمدؐ باقرؑ سے مشرف ہوئے تو امام نے فرمایا کہ جابر کیا حال ہے۔ جواب دیا کیا حال بیان کروں۔ پیری کو جوانی پر۔

بیماری کو تندرستی پر اور موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہوں۔ امام نے یہ سن کر جابر کو ٹوکا اور فرمایا جابر ہمارا حال اس کے بالکل برعکس ہے حق تعالیٰ پیری دے یا جوانی۔ بیماری دے یا تندرستی۔ زندگی دے یا موت ہمیں ہر چیز پسند ہے۔ اور یہ تم کو بھی پسند ہونا چاہیئے کیونکہ جابر تم مقام صبر پر ہو اور میں مقام رضا پر جو افضل ترین مقام ہے۔ جابر یہ سن کر فوراً تعظیم کو اُٹھے۔ ہاتھوں کا بوسہ لیا پیروں کی طرف جھکے مگر امام نے منع کر دیا۔ جابر نے عرض کیا۔ رسول اللہؐ نے سچ فرمایا تھا۔ بے شک آپ باقر العلوم ہیں۔ یعنی علوم کو شگافتہ کرنے والے۔

جابر بن عبداللہ ۷۸ھ میں مدینہ میں فوت ہوئے اور اہل عقبہ میں سے وہ آخری فوت ہونے والے ہیں۔

کتاب کشف الغمہ میں ہے کہ عباد بن کثیر بصری نے کہا کہ میں خدمت امام محمد باقرؑ میں گیا اور میں نے سوال کیا کہ مردِ مومن کا حق اللہ تعالیٰ پر کیا ہے۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے پھر دریافت کیا مگر کوئی جواب نہ ملا۔ جب تیسری بار پھر پوچھا تو میری طرف دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ مردِ مومن کا حق اللہ پر یہ ہے کہ اگر کسی درخت سے کہے کہ میرے پاس آجا تو وہ آجائے۔ پھر ایک درختِ خرمہ کی طرف اشارہ کیا جو فاصلہ پر تھا۔ عباد بن کثیر کہتا ہے کہ بخدا میں نے دیکھا وہ درخت چلا اور امام کی طرف آیا۔ امام نے پھر اسے واپس کر دیا۔ اور وہ اپنی جگہ چلا گیا۔

کشف الغمہ میں عطائے مکی سے روایت ہے کہ میں نے علماء کو کسی کا احترام کرتے ہوئے اس طرح نہیں دیکھا جس طرح امام ابو جعفر محمد باقر علیہ السلام کا احترام کرتے تھے۔ آپ کی خدمت میں تمام علماء اس طرح دو زانو ہو کر بیٹھتے تھے۔ جیسے شاگرد استاد کے سامنے۔ اور علماء جب آپ سے کوئی حدیث روایت کرتے تو کہتے وارث انبیاء نے یہ فرمایا۔

ایک شخص نے کہا کہ احادیث امام باقرؑ مرسل ہیں مستند نہیں ہیں۔ امام نے سنا تو فرمایا جو بھی حدیث میں تم سے بیان کرتا ہوں اس کو سند کی ضرورت نہیں کیوں کہ میرے پدر بزرگوار نے اپنے پدر بزرگوار سے اور انھوں نے امیرالمومنین جدِّ نامدار سے انھوں نے رسول اللہ سے۔ انھوں نے جبرئیل سے اور جبرئیل نے خدا تعالیٰ سے روایت کی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ میں کوئی سند نہیں رکھتا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

جعفر بن محمد الصادق ۔ والد گرامی کا نام امام محمد باقرؑ ۔ والدہ ام فروہ دختر قاسم بن محمد بن ابی بکر ۔ کنیت ابو عبداللہ اور ابو اسمٰعیل ۔ القاب ۔ صادق ۔ فاضل ۔ صابر اور طاہر ۔ صادق زیادہ مشہور لقب ہے ۔ قامت درمیانہ ۔ رنگ گندمی ۔ آپ کے دربار کا شاعر سید حمیری اور دربان مفضل ابن عمر ۔ آپ کی انگشتری کا نقش "ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ استغفر اللہ" ۔ آپ کے زمانہ میں خلفائے بنی امیہ ہشام بن عبدالملک ولید بن یزید بن عبدالملک ، ابراہیم بن ولید ، مروان بن محمد ابن مروان ہوئے اور بنی عباس میں سفاح اولین خلیفہ اور ابو جعفر منصور دوانقی دوسرا خلیفہ بنی عباس ہوا ۔

حضرت امام جعفر صادقؑ کی اولاد ذکور چھ ۶ تھیں ۔ موسیٰ ۔ محمد ۔ علیؑ ۔ عبداللہ اسمٰعیل اور اسحاق اور ایک بیٹی ام فروہ تھی ۔ آپ کی عمر عزیز اڑسٹھ ۶۸ سال ہوئی بارہ ۱۲ برس خدمت امام زین العابدین علیہ السلام میں گزرے اور انیس ۱۹ سال پدر بزرگوار امام محمد باقرؑ کی خدمت میں گزرے ۔ چونتیس ۳۴ سال امام رہے ۔ ابو جعفر منصور دوانقی نے عامل مدینہ کے ذریعہ آپ کو زہر دلوایا ۔ آپ ۱۵ ؍ شوال ۱۴۸ھ کو شہید ہوئے ۔ قبر اطہر جنت البقیع مدینہ منورہ میں ہے ۔

علماء نے جس قدر احادیث آپ سے نقل کی ہیں کسی اور امام سے نہیں کیں صاحب کشف الغمہ تحریر کرتے ہیں کہ اصحاب حدیث نے آپ کے زمانے کے راویان حدیث کی تعداد چار ہزار لکھی ہے ۔ اور جو کتابیں آپ کے شاگردوں نے تالیف و

تصنیف کیں ان کی تعداد چار سو ہے۔ آپ کی امامت محتاج دلائل نہیں اس لئے کہ ہر فرقہ نے آپ کی امامت کو تسلیم کیا ہے۔ نیز وہ معجزات جو آپ کے دستِ مبارک سے ظاہر ہوئے ان کو ہر موافق و مخالف نے ذکر کیا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا زمانہ اس لئے زیادہ قابلِ توجہ ہے کہ یہ زمانہ زوالِ سلطنتِ بنی امیہ اور آغازِ سلطنتِ بنی عباس کا زمانہ ہے۔ باہمی خانہ جنگی کے باعث امام کو اتنا وقت اور موقع مل گیا کہ پیغامِ حق امتِ محمدی تک پہنچا کر خوابِ غفلت سے بیدار کیا۔ چونکہ ائمۂ ماسبق میں صرف آپ ہی کو یہ موقع ملا تھا کہ حدیث۔ علمِ دین۔ صحیح سنّت رسولؐ کو قدرے اطمینان اور سکون کے عالم میں موافقین اور مخالفین کے سامنے پیش کیا۔ اسی لئے اس کو جو درحقیقت فقہِ محمدیؐ تھی۔ فقہ جعفری کہا گیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول ہے کہ چھ گروہ۔ چھ اوصاف کی وجہ سے تباہ ہو جاتے ہیں۔ (۱) امرا ظلم کی وجہ سے (۲) عرب۔ تعصب کے باعث (۳) دہقان۔ غرور کے سبب (۴) سوداگر۔ خیانت کی بدولت (۵) کاشتکار۔ جہالت کی وجہ سے (۶) علماء۔ حسد کے باعث۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ بہترین بندہ وہ ہے جس میں پانچ صفات پائی جائیں:۔ (۱) جب نیکی کرے تو اپنے نیک کام پر خوش ہو (۲) اگر بدی سرزد ہو جائے تو شرمندہ ہو جائے (۳) اگر کوئی اس کو کچھ دے تو دینے والے کا شکریہ ادا کرے۔ (۴) اگر کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے تو صبر کرے (۵) اگر کوئی اس کے ساتھ ظلم یا بدی کرے تو معاف کر دے۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم اور اس کے سچے رسول نے ہمیں ان نعمتوں سے نوازا ہے۔ جو سوائے ہمارے اور کسی دوسرے کے پاس نہیں ہیں۔ ان میں سے الہام ہے حدیث ملائکہ ہے اور جفرِ احمر ہے کہ یہ وہ ظرف ہے جس میں سلاحِ رسولؐ و تبرکاتِ رسول ہیں زبورِ داؤدؑ ہے۔ توریتِ موسیٰ۔ انجیلِ عیسیٰ ہے جو قبل ظہورِ قائم آلِ محمدؐ ظاہر

نہیں ہو سکتی۔ اور جفر ابیض ہے۔ وہ ظرف جس میں صحفِ سابقہ۔ اور مصحفِ فاطمہؑ جس میں ابتدا سے قیامت تک کے حالات درج ہیں۔ یہ بھی قبل ظہورِ قائم آلِ محمدؐ ظاہر نہیں ہو سکتی۔

ابو حمزہ ثمالی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت سے سنا ہے آپ نے فرمایا عصائے موسیٰؑ و الواح ہمارے پاس ہے۔ خاتمِ سلیمانؑ اور سلاح و تبرکاتِ رسولِ خدا ہمارے پاس ہیں۔ تابوتِ سکینہ کی طرح تبرکاتِ نبی کریم جہاں ہو امامت وہیں ہوتی ہے۔ رسول اللہؐ کی زرہ میرے پدرِ بزرگوار نے پہنی اور اب میں پہنتا ہوں کسی اور کے جسم پر صحیح نہیں آسکتی۔ سوائے باقی ائمہ طاہرین تا قائم آلِ محمدؐ۔

آپ کی اولاد میں فرزند اکبر اسمٰعیل تھے۔ عمر اور شفقت پدری کی وجہ سے اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ بعد امام اسمٰعیل ہی جانشین ہوں گے مگر وہ حیاتِ امام ہی میں دنیا سے رحلت کر گئے۔ اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ آپ کو اس بیٹے کے انتقال پر بہت صدمہ ہوا۔ امام کے دوسرے فرزند موسیٰ کاظمؑ ہیں جو اپنے والد گرامی کے بعد درجۂ امامت پر فائز ہوئے۔ تیسرے بیٹے محمدؐ چوتھے اسحاق پانچویں علیؑ چھٹے عبداللہ ساتویں عباس اور ایک بیٹی تھیں جن کا نام امِ فروہ تھا۔

حضرت امام موسیٰ کاظم بن جعفر علیہ السلام

حضرت موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام آپ کے القاب کاظم - مامون - طیب اور سید ہیں۔ کنیت ابوالحسن ہے۔ آپ کی عبادت اور اس میں مشقت اور رات بھر کھڑے ہو کر عبادت کرنے کی وجہ سے عبد صالح کہا جاتا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ اندلس کی تھیں اور بعض کہتے ہیں کہ بربر کی رہنے والی تھیں ان کا نام حمیدہ تھا۔

آپ سخی اور حلیم الطبع تھے۔ آپ کو کاظم اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب کسی کی طرف سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچتی تو آپ اس کے پاس مال بھیجتے تھے۔ آپ ۷ صفر ۱۲۸ھ کو مدینہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کو محمد مہدی عباسی خلیفہ بغداد لے گیا اور وہاں قید رکھا پھر مدینہ واپس بھیج دیا اس کا سبب وہ خواب تھا جو اس نے دیکھا تھا۔

وہ خواب خطیب نے تاریخ بغداد میں فضل بن ربیع سے اس نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے۔ ربیع کہتا ہے کہ جب مہدی خلیفہ نے حضرت موسیٰ بن جعفر کو قید کیا تو عالم خواب میں حضرت علی کو دیکھا۔ آپ نے اس سے فرمایا " کیا یہ قریب ہے کہ اگر تم حاکم بن جاؤ تو زمین پر فساد کرو گے اور اپنے ارحام سے قطع رحمی کرو گے " ربیع کہتا ہے کہ رات کے وقت ہی مہدی نے کسی کو میری طرف بھیجا میں گھبرا گیا۔ میں اس کے پاس آیا تو وہ مندرجہ بالا آیت پڑھ رہا تھا۔ مہدی کا لحن بہت اچھا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ موسیٰ بن جعفر کو میرے پاس لے آؤ میں آپ کو لے آیا تو مہدی نے آپ سے معانقہ

کیا اور اپنے پہلو میں بٹھایا اور کہا میں نے امیرالمومنینؑ کو ابھی خواب میں دیکھا کہ وہ یہ آیت پڑھ رہے تھے تو کیا آپ مجھ سے قسم کھا کر وعدہ کرتے ہیں کہ آپ مجھ پر اور میری اولاد میں سے کسی ایک پر میرے بعد خروج نہیں کریں گے امام نے ارشاد فرمایا خدا کی قسم میں نے کبھی ایسا نہیں کیا اور نہ میری ایسی عادت ہے۔ مہدی نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔ پھر کہنے لگا۔ اے ربیع انھیں تین ہزار دینار دو اور گھر پہنچا دو۔ ربیع کہتا ہے کہ میں آپ کو گھر بھیجنے کا سارا انتظام راتوں رات مکمل کر لیا اور علی الصبح ہی انہیں روانہ کر دیا۔

مدائینی کہتا ہے کہ حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام مدینہ میں رہے یہاں تک کہ مہدی اور ہادی کی وفات ہوئی۔ اور ہارون رشید حج کے لئے آیا۔ اور امام موسیٰ بن جعفرؑ کے ساتھ قبر رسالت مآب کی زیارت کے لئے گیا۔ ہارون نے رسول کریمؐ کو خطاب کر کے گردو پیش کے لوگوں پر فخر کرتے ہوئے کہا السلام علیک یا بن العم یا چچا کے بیٹے آپ پر میرا سلام ہو۔ تو امام موسیٰ بن جعفرؑ قبر کے قریب تشریف لائے اور کہا السلام علیکم یا ابتہ اے بابا آپ پر میرا سلام ہو۔ اس پر ہارون کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ پھر کہنے لگا خدا کی قسم اے ابوالحسن واقعاً یہ فخر و حقیقی شرف آپ ہی کے لئے ہے۔ پھر آپ کو اپنے ساتھ بغداد لے گیا اور وہاں آپ کو ۱۷۹ھ میں قید کر دیا۔ آپ اس قید میں ۱۸۳ھ تک رہے اور ماہِ ب میں بحالت قید وہیں وفات پائی۔

علامہ مجلسی نے بحارالانوار اور زمخشری نے ربیع الابرار میں ذکر کیا ہے کہ ہارون حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے کہا کرتا تھا کہ فدک لے لیجئے لیکن آپ لینے سے انکار کرتے لیکن جب ہارون نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے فرمایا اس کے پورے حدود کے بغیر نہیں لوں گا۔ ہارون نے پوچھا اس کی حدود کون سی ہیں۔ آپ نے

فرمایا اس کی پہلی حد عدن ہے تو ہارون کا چہرہ بگڑ گیا۔ کہنے لگا دوسری حد۔ فرمایا دوسری حد سمرقند ہے تو اس کا چہرہ اور متغیر ہوا، کہنے لگا تیسری حد، فرمایا افریقہ تو ہارون کا چہرہ سیاہ ہو گیا کہنے لگا چوتھی حد تو فرمایا سیف البحر جو خزر اور آرمینیا کے قریب ہے۔ ہارون نے کہا پھر ہمارے لئے تو کچھ بھی باقی نہ رہا۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ میری جگہ لینا چاہتے ہیں تو حضرت موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا کہ میں نے تو تجھے بتا دیا تھا کہ اگر میں فدک کی حد بندی بیان کروں تو تو واپس نہیں کرے گا۔ اس وقت سے ہارون نے آپ کے قتل کا مصمم ارادہ کرلیا اور آپ کو اپنے راستے سے ہٹانے کی ٹھان لی۔

خطیب نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام نے قید خانہ سے ہارون کو پیغام بھیجا کہ میری تکلیف کا کوئی دن نہیں گزرتا مگر یہ کہ تیری راحت و آرام کا ایک دن گزر جاتا ہے یہاں تک کہ ہم سب ایسے دن کی طرف پہنچیں گے جس کے لئے ختم ہونا نہیں۔ جس میں باطل پرست گھاٹے میں ہوں گے۔

مورخین نے آپ کی عمر مبارک کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ آپ کی تاریخ وفات ۲۵ رجب ۱۸۳ھ آپ کا مزار مبارک بغداد کے قریب کاظمین میں ہے۔ زمانۂ امامت ۳۵ برس تھا۔ ہارون رشید آپ کے وجود کو برداشت نہ کر سکا۔ اور بغداد میں قید کر دیا۔ کچھ دنوں کے بعد سندی ابن شاہک کے ذریعہ آپ کو زہر دیدیا اور قید خانہ ہی میں وفات ہوئی۔ وفات کے بعد آپ کی ہتکڑی اور بیڑی کٹوائی گئی۔

مورخین نے آپ کے بیس ۲۰ فرزند اور بیس ۲۰ ہی بیٹیاں لکھی ہیں۔ علامہ سبط ابن جوزی نے سب کے نام بھی اپنی کتاب تذکرۃ الخواص میں تحریر کئے ہیں۔

امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام

آپ کا اسمِ گرامی ابوالحسنؑ علی بن موسیٰؑ بن جعفرؑ بن محمدؑ بن علی بن حسینؑ بن علیؑ ابن ابی طالب۔ آپ کے القاب رضاؑ صابر۔ زکی۔ رضی اور ولی ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام اُمِّ ولد کنیت ام البنین اور لقب خیزران ہے۔ آپ کے دور کا شاعر دعبل خزاعی ہے۔ آپ کے زمانہ میں امین اور مامون عباسی خلیفہ تھے۔ آپ کی تاریخ ولادت ۱۱ ذی الحجہ ۱۵۳ھ۔ عمر ۵۵ سال ہوئی۔ مدت امامت بیس سال اور وفات سناباد میں ہوئی جو کہ شہر طوس کا ایک قریہ تھا اور آپ کی قبر کی برکت سے ایک عظیم شہر مشہد مقدس کے نام سے مشہور ہوا۔ آپ کو مامون رشید کے حکم سے زہر دیا گیا۔ آپ کی اولاد میں پانچ بیٹے محمد۔ حسن۔ حسین۔ ابراہیم جعفر اور ایک دختر تھیں لیکن حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ کی روایت کے مطابق امام محمد تقیؑ کے علاوہ آپ کے کوئی اولاد نہ تھی۔

واقدی کہتا ہے کہ آپ ثقہ تھے اور بیس سال سے کچھ عمر زیادہ تھی کہ مسجدِ رسول میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ عبداللہ بن احمد نے کتاب انساب القرشیین میں ذکر کیا ہے کہ وہ نسخہ، سند جسے علی بن موسیٰ رضاؑ روایت کرتے ہیں اپنے باپ موسیٰؑ سے وہ اپنے باپ جعفرؑ سے وہ اپنے باپ محمدؑ سے وہ اپنے باپ علیؑ سے وہ اپنے باپ حسینؑ سے وہ اپنے باپ علیؑ سے وہ رسولِ کریم سے روایت کرتے ہیں۔ اگر کسی مجنون پر پڑھ دیا جائے تو وہ صحیح و سالم ہو جائے۔

واقدی نے کہا ہے جب مامون نے کسی کو آپ کے پاس بھیج کر آپ کو مدینہ سے خراسان بلایا تاکہ اپنے بعد کے لئے آپ کو ولی مقرر کرے۔ اور آپ کو لے جانے والا فرناس خادم اور ابن ابی ضحاک تھا۔ جب آپ نیشاپور پہنچے آپ کے استقبال کے لئے نیشاپور کے علماء باہر نکل آئے۔ جن میں خاص طور پر یحییٰ بن یحییٰ۔ اسحٰق بن راہویہ۔ محمد بن رافع اور احمد بن حرب وغیرہ تھے۔ تاکہ آپ سے حدیثیں سنیں اور روایت کریں۔ اور تبرک حاصل کریں۔ آپ نے نیشاپور میں کچھ عرصہ قیام فرمایا۔ مامون اس وقت مقام مرو میں تھا۔ اس نے امام کو بلوایا اور اپنا ولی عہد مقرر کیا! اور رضائے آلِ محمدؐ آپ کا نام رکھا۔ درہم و دینار پر آپ کا نام نقش کرایا۔ اطرافِ مملکت میں آپ کی بیعت کے لئے لکھا اور سیاہ لباس ترک کر کے سبز لباس پہنا۔ اس سلسلہ میں مامون رشید نے ایک عہد نامہ بھی اپنے قلم سے لکھا۔ پھر یہ عہد نامہ اطراف مملکت میں کعبہ کے پاس اور قبرِ رسولؐ و منبر رسولؐ کے پاس پڑھا گیا اور اس پر مامون کے خواص اور بزرگ علماء کی گواہیاں ثبت کی گئیں۔ منجملہ ان گواہیوں کے فضل بن سہل کی گواہی بھی تھی اس نے اپنے قلم سے لکھا تھا۔ "میں امیر الملک عبداللہ مامون اور ابو الحسن علی بن موسیٰ ابن جعفر پر گواہی دیتا ہوں اس چیز کے ساتھ کہ جس کی وجہ سے ان دونوں نے مسلمانوں کیلئے اپنے اوپر رحمت قائم کرلی ہے اور جاہلوں کے شبہ کو دور کر دیا ہے۔ عبداللہ بن طاہر نے بھی یہی گواہی لکھی۔ یحییٰ بن اکثم قاضی نے حماد بن ابوبکر صوفی وزیر مغربی بشر بن معتمر اور خلق کثیر نے بھی گواہیاں ثبت کیں۔ علامہ سبط ابن جوزی نے اس عہد نامہ کا کچھ ضروری حصہ اپنی کتاب تذکرۃ الخواص میں نقل کیا ہے۔

لیکن دوسرے مورخین نے اس کو مکمل نقل کیا ہے۔ جب مامون رشید نے یہ عہد نامہ لکھا تو تمام بنی عباس اس کے خلاف ہوگئے۔ مخالفت جب شدت اختیار کرگئی تو مامون نے امام رضا علیہ السلام کو زہر سے

شہید کروا دیا۔

علامہ مقدس اردبیلی اپنی کتاب حدیقۃ الشیعہ میں لکھتے ہیں کہ کسی شخص نے امام رضاؑ سے دریافت کیا کہ آپ ولیعہدی پر کس طرح رضامند ہو گئے۔ امام نے فرمایا کہ جس طرح میرے جدّ امجد امیرالمومنینؑ مجلس شوریٰ میں شامل ہونے پر مجبور کئے گئے۔ عمار بن زید سے روایت ہے کہ مامون رشید ایک مرتبہ سخت بیمار ہوا اور زندگی سے مایوس ہو گیا تو امام کو بلوایا اور کہا اب میرا آخری وقت ہے آپ مجھ سے غافل نہ رہیں۔ امام نے فرمایا۔ خاطر جمع رکھو۔ تیری عمر ابھی بہت باقی ہے تو جب تک مجھے انگوروں میں زہر نہ دے دے گا مر نہیں سکتا۔ مجھے زمین خراسان میں تو ہی دفن کرائے گا۔ مامون نے کہا میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں اس روز سے جس دن یہ گناہِ عظیم مجھ سے سرزد ہو امام نے فرمایا جیسا میں کہہ رہا ہوں ایسا ہی ہوگا۔

ایک دن صبح کے وقت امام ابھی مشغولِ عبادت تھے کہ مامون کا غلام بلانے آیا۔ آپ جب پہنچے تو مامون نے کھڑے ہو کر آپ کی پیشانی کا بوسہ دیا۔ بڑے احترام سے اپنے قریب بٹھایا اور ایک طبق میں انار دوسرے میں انگور پیش کئے اور کہا ایسے لذیذ انگور میں نے آج تک نہیں کھائے۔ امام نے فرمایا جنت کے انگور سے لذیذ نہیں ہو سکتے۔ مامون رشید نے ایک خوشۂ انگور اٹھا کر پیش کیا۔ امام نے انکار کیا۔ مامون نے کہا آپ ہمیشہ مجھ سے بدظن رہتے ہیں۔ یہ انگور تو آپ کو کھانے ہی پڑیں گے بس امام نے دو تین دانے اٹھا کر کھلئے اور فرمایا بس کافی ہیں۔ پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔ مامون نے دریافت کیا۔ آپ کہاں چلے۔ امام نے فرمایا جہاں تو بھیج رہا ہے۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

اسمِ گرامی محمد۔ کنیت ابو جعفر۔ لقب جواد۔ قانع۔ مرتضیٰ۔ صادق رضا صابر۔ مگر مشہور ترین لقب جواد ہے۔ والدۂ گرامی امِّ ولد جن کو سکینہ نوبیہ بھی کہتے ہیں۔ اور بعض مرضیہ۔ آپ کا رنگ سفید۔ انگشتری کا نقش "نعم القادر اللہ" تھا۔ آپ کے زمانے میں دو عباسی خلیفہ مامون اور معتصم ہوئے۔ آپ مدینۂ منورہ میں ۹ رمضان ۱۹۵ھ کو پیدا ہوئے۔ اور آپ کی عمر ۲۵ سال چند ماہ ہوئی۔ آپ کو معتصم عباسی نے بغداد میں بلوایا اور ۲۲۱ھ میں زہر دلوا کر شہید کرا دیا۔ اور مقابرِ قریش میں ۲۸ محرم یا روزِ سہ شنبہ ۲۵ ذی الحجہ کو دفن ہوئے۔ قبر اقدس امام موسیٰ کاظم کی قبر کے قریب ہے۔ آپ کی اولاد میں دو بیٹے علی نقی اور موسیٰ دو بیٹیاں۔ فاطمہ اور امامہ۔ آپ کے پدر بزرگوار امام علی رضا علیہ السلام کی رحلت کے بعد مامون الرشید نے دار الحکومت بغداد منتقل کر لیا۔ امام محمد تقی بھی کچھ عرصہ بعد حوادثاتِ زمانہ کے باعث ترکِ وطن کر کے بغداد تشریف لے آئے۔

ایک روز مامون رشید شکار کو نکلا تو امام محمد تقیؑ جن کی عمر اس وقت نو سال تھی راستہ پر کھڑے بچّوں کو کھیل میں مصروف دیکھ رہے تھے۔ مامون رشید اور اس کے لشکر کو دیکھ کر بچّے بھاگے لیکن آپ اپنی جگہ پر کھڑے رہے۔ مامون نے یہ دیکھ کر حیرت سے دریافت کیا اے صاحبزادے تم کیوں نہیں بھاگے۔ آپ نے

نہایت اطمینان سے ارشاد فرمایا نہ میں نے کوئی جرم کیا نہ راستہ میں حارج ہوں۔ پھر بھاگنے اور خائف ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ اور یہ بھی سمجھتا ہوں کہ تو بلاوجہ ستائے گا بھی نہیں۔

مامون رشید جواب سُن کر بے حد متعجب ہوا اور آپ کا نام دریافت کیا۔ آپ نے جواب دیا محمدؑ۔ سوال کیا کس کے صاحبزادے ہو فرمایا علی بن موسیٰؑ کے۔ مامون نے یہ سُن کر اپنے راہوار کو آگے بڑھایا۔ شہر سے نکل کر اس نے اپنا باز ایک تیتر پر چھوڑا۔ باز آسمان کی طرف بلند ہوا اور منقار میں ایک چھوٹی سی مچھلی شکار کر کے لایا۔ مامون مچھلی دیکھ کر حیران ہوا اور فوراً لوٹ آیا۔ لڑکے پھر مامون کو دیکھ کر بھاگ گئے۔ مگر امام اپنی جگہ پر کھڑے رہے مامون نے ہاتھ میں مچھلی چھپائی اور امام کے قریب جا کر سوال کیا۔ صاحبزادے بتایئے میری مُٹھی میں کیا ہے۔ امام نے الہامِ ربانی کے ذریعے فرمایا کہ خداوند عالم نے زمین و آسمان کے درمیان دریا خلق کیا ہے بادشاہوں کے باز کبھی کبھی وہاں سے مچھلی شکار کر کے بادشاہوں کو دیتے ہیں۔ اور وہ اپنی مُٹھی میں چھپا کر خاندانِ رسالتؐ سے پوچھتے ہیں کہ ہماری مٹھی میں کیا ہے؟ یہ سُن کر مامون نے آپ کو غور سے دیکھا اور کہا۔ بے شک آپ پسرِ امام علی رضاؑ ہیں۔

ایک مرتبہ مامون رشید کی موجودگی میں امام محمد تقی علیہ السلام نے قاضی یحییٰ سے سوال کیا کہ ایک عورت کسی مرد پر صبح سویرے حرام ہو۔ دوپہر کو حلال ہو جائے۔ زوال کے وقت پھر حرام ہو جائے۔ عصر کے وقت پھر حلال ہو جائے۔ غروب کے وقت پھر حرام ہو جائے۔ عشاء کے وقت پھر حلال ہو جائے نصف شب پھر حرام ہو جائے۔ اور صبح کو پھر حلال ہو گئی۔ قاضی یحییٰ نے تمام حاضرین کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا اے فرزندِ رسولؐ اس مسئلہ پر آپ ہی روشنی ڈالیں۔

امام نے فرمایا سنو اور یاد رکھو کہ وہ عورت ایک غیر شخص کی کنیز تھی۔ صبح اسے دیکھنا حرام تھا۔ دن چڑھے اس کو خرید لیا حلال ہوگئی۔ ظہر کے وقت اس کو آزاد کر دیا حرام ہوگئی۔ عصر کے وقت اس سے عقد کر لیا حلال ہوگئی۔ مغرب کے وقت ظہار کیا حرام ہوگئی۔ عشاء کے وقت ظہار کا کفارہ دیدیا حلال ہوگئی نصف شب میں طلاق رجعی دیدی حرام ہوگئی۔ صبح کو رجوع کر لیا حلال ہوگئی۔

کتاب کشف الغمۃ اور فصول المہمۃ میں لکھا ہے کہ علیؑ بن ابراہیم نے اپنے باپ سے روایت کی کہ میں امام کی خدمت میں حاضر تھا بے شمار لوگ جمع تھے۔ جنھوں نے اس روز امام سے تیس ہزار مسائل کے جواب پوچھے' امام نے ہر ایک کا جواب دے کر رخصت کیا اس وقت امام محمد تقی علیہ السلام کی عمر دس سال تھی۔

ابن ابی نصر بزنطی سے روایت ہے کہ نجاشی بادشاہ نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارا امام کون ہے امام علی رضاؑ کے بعد۔ میں نے امام علی رضاؑ سے اس کے متعلق کوئی بات نہیں سنی تھی لہٰذا جواب نہیں دیا اور امام کی خدمت میں آ کر' نجاشی کا سوال دہرایا۔ امام نے فرمایا کہ میرے بعد میرا پسر امام ہے پھر فرمایا کہ یہ عجیب بات ہے کہ جس کے پسر نہ ہو وہ یہ جراٴت کرے کہ میرا پسر امام ہے اس وقت تک امام محمد تقیؑ پیدا ہی نہ ہوئے تھے۔ بعد میں ولایت ہوئی۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام

حضرت علیؑ بن محمدؑ بن علیؑ بن موسیٰؑ بن جعفرؑ بن محمدؑ بن علیؑ بن الحسینؑ بن علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ جعفر متوکل عباسی نے آپ کو مدینہ منورہ سے بغداد اور وہاں سے سامرہ کی طرف بھیجا۔ آپ وہاں بیس سال اور کئی مہینے رہے۔ آپ کے القاب متوکل اور نقی ہیں۔ آپ کی والدہ کا نام سمانہ غربیہ ہے۔

مورخین کا کہنا ہے کہ متوکل عباسی نے آپ کو مدینہ سے بغداد اس لیے بلایا تھا۔ کہ متوکل حضرت علیؑ اور ان کی اولاد سے بہت بغض رکھتا تھا۔ اسے خبر ملی کہ مدینہ میں امام نقیؑ کا مقام بہت اونچا ہے اور یہ کہ لوگ آپ کی طرف بکثرت مائل ہیں۔ جس سے اسے ایک خوف لاحق ہوا۔ اس نے یحییٰ بن ہرثمہ کو بلایا۔ اس سے کہا کہ مدینہ جاؤ اور ان کے حالات کا معائنہ کرو اور انھیں ہمارے پاس لے آؤ۔

۔یحییٰ کہتا ہے کہ پس میں مدینہ گیا۔ اور جب مدینہ میں داخل ہوا تو اہلِ مدینہ کی چیخ و پکار اتنی زیادہ بلند ہوئی کہ ویسی چیخ و پکار اہل مدینہ نے کبھی نہیں سنی تھی۔ (یہ سب کچھ علی نقیؑ پر تشدد کی وجہ سے تھا) گویا لوگوں پر ایک قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ کیونکہ آپ اہل مدینہ پر بہت کچھ احسانات کرتے اور مسجد میں رہتے تھے۔ ان کا میلان دنیا کی طرف بالکل نہ تھا۔ یحییٰ کہتا ہے کہ میں اہلِ مدینہ کو سکون و اطمینان کی تلقین کرتا اور قسمیں کھاتا کہ مجھے ان حضرت کے متعلق کوئی برا حکم نہیں دیا گیا۔ اور حضرت پر کسی قسم کا کوئی خوف نہیں۔ پھر میں نے آپ کے گھر کی تلاشی لی تو اس میں

چند صحیفوں، دعاؤں اور کتبِ علمی کے علاوہ کچھ نہ پایا۔ پس آپ کی عظمت میری نظروں میں بڑھ گئی۔ اور میں خود ان کی خدمت کرتا اور ان سے اچھا برتاؤ کرتا۔ پس جب میں انھیں لے کر بغداد پہنچا تو پہلے پہل اسحاق بن ابراہیم طاہری کے پاس گیا۔ وہ بغداد کا حاکم تھا۔ تو اس نے مجھ سے کہا۔ اے یحییٰ بتحقیق یہ وہ شخص ہے جسے رسول اللہ نے جنم دیا (یعنی فرزندِ رسولؐ ہے) اور متوکل کو تو جانتا ہے۔ اگر تو نے اسے ان کے خلاف اکسایا تو وہ انھیں قتل کر دے گا اور قیامت کے دن رسول اللہؐ تیرے دشمن ہوں گے۔ تو میں نے کہا خدا کی قسم میں نے ان سے امرِ جمیل کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا۔

پھر میں آپ کو لے کر سامرہ میں گیا اور سب سے پہلے وصیف ترکی سے ملا اور اسے خبر دی کہ آپؑ آگئے ہیں۔ اس پر اس نے کہا خدا کی قسم اگر ان کا بال بھی بیکا ہوا تو اُن کا مواخذہ (بروزِ قیامت) تجھ سے ہی کیا جائے گا۔ یحییٰ کہتا ہے مجھے تعجب ہوا کہ کس طرح وصیف کی بات اسحاق کے قول کے موافق تھی۔

پس جب میں متوکل کے پاس گیا تو اس نے آپ کے متعلق سوال کیا۔ میں نے آپ کی حسنِ سیرت، سلامتی، طریق اور ورع و پرہیزگاری کی خبر دی اور یہ کہ میں نے آپ کے گھر کی تلاشی لی تو مجھے سوائے مصاحف اور کتبِ علمی کے کچھ نہ ملا۔ اور اہلِ مدینہ آپ پر خوف و ڈر محسوس کرتے تھے۔ پس متوکل نے آپ کی تکریم کی اور زیادہ احسان کیا اور سامرہ میں اپنے قریب ہی رہنے کو مکان دیا۔

یحییٰ ابن ہرثمہ کہتا ہے اس واقعہ کے کچھ دن بعد متوکل بیمار ہوا اور نذر مانی کہ اگر شفایاب ہوا تو دراہم کثیر صدقہ کریگا جب صحت یاب ہوگیا تو فقہاء سے اس بارے میں سوال کیا (کہ کتنے درہم صدقہ دوں) لیکن ان سے عقدہ کشائی نہ ہوسکی، اس نے پھر کسی کو حضرت علی نقیؑ کی خدمت میں بھیجا اور سوال کیا۔ آپ نے فرمایا

۸۳ دینار صدقہ کردے۔ تو متوکل نے کہا یہ فتویٰ آپ نے کہاں سے دیا۔فرمایا۔ خداوند عالم کے اس قول سے ترجمہ "بیشک خدا نے تمہیں مواطن کثیرا ور حنین کے دن نصرت عنایت کی" اور مواطن کثیر ۸۳ ہی بنتے ہیں۔ پس متوکل اور تمام فقہاء نے اس جواب پر تعجب کیا۔

متوکل نے آپ کی خدمت میں مالِ کثیر بھیجا اور کہا کہ اس جواب کی بنا پر آپ جتنا چاہیں صدقہ کیجیے۔

اور ابوالحسن مسعودی نے کتاب مروج الذہب میں ذکر کیا ہے کہ متوکل کے پاس کسی نے چغلی کی کہ علیؑ بن محمدؑ کے گھر میں اہلِ قم کے شیعوں کے خطوط اور ہتھیار ہیں اور وہ حکومت کے خلاف خروج کرنے والے ہیں۔ پس متوکل نے ترک فوجوں کی ایک جماعت آپ کے گھر بھیجی۔ ان لوگوں نے رات کے وقت اچانک آپ کے گھر پر ہلہ کیا۔ لیکن انھیں وہاں کچھ نہ ملا اور آپ کو ایک بند کمرے میں پایا۔ آپ نے اُون کی ایک قمیص پہن رکھی تھی اور بغیر فرش کے ریت اور کنکریوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے۔ آپ کو اسی حالت میں متوکل کے پاس لایا گیا۔ ان ترکوں نے متوکل سے کہا ہمیں ان کے گھر کوئی چیز نہیں ملی اور انھیں ہم نے قبلہ رو بیٹھے قرآن پڑھتے پایا ہے۔ متوکل اس وقت محفلِ شراب میں تھا۔ پس حضرت کو اس کے سامنے پیش کیا گیا جبکہ کاسہ شراب متوکل کے ہاتھ میں تھا۔ جب اس نے آپ کو دیکھا تو اس پر ایک ہیبت طاری ہوگئی فوراً آپ کی تعظیم کی۔ اپنے پہلو میں بٹھایا۔ اور وہ پیالہ آپ کو پیش کیا جو اس کے ہاتھ میں تھا۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم میرے گوشت اور خون میں کبھی شراب داخل نہیں ہوئی۔ پس مجھے اس سے معاف کرو۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا کچھ اشعار پڑھیے۔ آپ نے فرمایا میں شعر بہت کم کہتا ہوں تو متوکل نے کہا کچھ نہ کچھ ضرور سنائیے تو حضرت امام علی نقیؑ نے

چند اشعار پڑھے جن کا اردو ترجمہ مندرجہ ذیل ہے :۔

"رات گزاری ان لوگوں نے پہاڑ کی چوٹیوں پر کہ ان کی حفاظت کر رہے تھے موٹی گردن والے اشخاص پس پہاڑوں کی چوٹیاں انھیں بے پرواہ کر سکیں۔ عزت و توقیر کے بعد ذلت کے ساتھ ان قلعوں سے نیچے اتارے گئے۔ اور مٹی کے گڑھوں میں سکونت دی گئی کس قدر بری جگہوں میں اُتارے گئے ہیں۔ انھیں دفن ہو جانے کے بعد ایک شخص نے چیخ کر کہا۔ کہاں ہیں کنگن تاج اور لباس۔ کہاں ہیں وہ چہرے جو نازاور نعمتوں سے پلے تھے کہ جن کے سامنے حریری پردے لٹکے ہوئے تھے۔ پس سوال کرنے والے کو واضح طور سے قبر نے جواب ملا ان چیزوں پر حشرات الارض ڈیرا ڈالے ہوئے ہیں۔ جو ایک دوسرے کو مارتے ہیں۔ کتنے طویل زمانے تک یہ لوگ کھاتے اور پیتے رہے پس اب ان کو کھایا جاتا ہے۔"

پس متوکل رونے لگا یہاں تک کہ اس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی حاضرین بھی رونے لگے۔ متوکل نے آپ کو چار ہزار دینار دے کر عزت و تکریم کے ساتھ آپ کو رخصت کیا۔

۔ یحییٰ بن ہبیرہ کہتا ہے کہ فقہا نے متوکل کے سامنے مذاکرہ کیا کہ کس نے حضرت آدمؑ کا سر مونڈا تھا ؟ لیکن ان پر اس کا انکشاف نہ ہو سکا کہ کس نے مونڈا تھا۔ تو متوکل نے کہا کسی کو علیؑ بن محمدؑ بن رضاؑ کی طرف بھیجو اور انھیں اس محفل میں بلایا جائے آپ تشریف لائے تو آپ سے سوال کیا گیا۔ آپ نے فرمایا مجھے میرے والد نے اپنے جد بزرگوار سے انھوں نے اپنے جد سے انھوں نے اپنے باپ سے حدیث بیان کی آپ نے فرمایا کہ خداوند عالم نے جبرئیل امین کو حکم دیا کہ جنت کے یواقیت میں سے

ایک یاقوت لے جائے جبرئیل وہ یاقوت لے کر آئے اور آدم کے سر پر پھیرا۔ جس سے ان کے بال جھڑ گئے۔ پس جہاں تک اس یاقوت کا نور پہنچا وہ جگہ حرم ہو گئی اور یہ روایت موضوعاً رسول اللہؐ سے بھی نقل ہے۔

امام علی نقی علیہ السلام نے جمادی الآخر ۲۵۴ھ میں سامرہ میں وفات پائی۔ آپ مدینہ میں ماہ رجب ۲۱۴ھ میں پیدا ہوئے۔ وقتِ وفات آپ کا سن مبارک چالیس سال تھا۔ آپ کی وفات معتز باللہ کے زمانہ میں ہوئی۔ آپ سامرہ میں دفن ہوئے بعض علماء لکھتے ہیں کہ آپ کو زہر سے شہید کیا گیا۔

آپ کی متفقہ تاریخ ولادت ۵ رجب ۲۱۴ھ اور تاریخ وفات ۲ رجب ۲۵۴ھ ہے آپ کو معتز عباسی نے زہر سے شہید کیا۔ آپ کی اولاد میں چار بیٹے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام دوسرے جعفر تیسرے محمدؐ اور چوتھے حسین اور ایک بیٹی عائشہ تھیں۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

اسم گرامی حسن بن علیؑ بن محمدؑ بن علیؑ بن موسیٰؑ بن جعفرؑ بن محمدؑ بن علیؑ بن حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب علیہم السّلام مادرِ گرامی کا اسم گرامی اُمّ ولد سوسن ۔ آپ کا لقب عسکری، سراج ۔ کنیت ابو محمدؑ ۔ گندمی رنگ ۔ آپ کے زمانہ کے عباسی خلفاء معتز، مہتدی اور معتمد ۔ آپ ۲۳ ربیع الآخر ۲۳۲ھ کو مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے ۔ تاریخ وفات روز جمعہ ماہِ ربیع الآخر ۲۶۰ھ سامرہ میں اپنے پدرِ بزرگوار کے پہلو میں دفن ہوئے ۔ عمر انتیس ۲۹ سال اور زمانۂ امامت چھ سال ۔ آپ کو معتمد عباسی نے زہر دلوا دیا جس سے آپ کی شہادت ہوئی ۔ آپ کے ایک صاحبزادے ہوئے جن کو خوفِ اعداء سے مخفی رکھا گیا ۔ آپ کی امامت پر نصوص بے شمار ہیں ۔ رسولِ خدا ۔ امیرالمومنینؑ ۔ فاطمۃ الزہراؑ کے علاوہ جملہ ائمہ طاہرینؑ نے آپ کی خلافت و امامت کی خبر دی ہے ۔

عبداللہ بن محمد اصفہانی سے روایت ہے کہ امام علی نقیؑ نے مجھ سے فرمایا تمہارا امام میرے بعد وہ شخص ہو گا جو مجھ پر نماز پڑھے ۔ میں نے امام حسن عسکریؑ کو کبھی نہیں دیکھا تھا ۔ امام کی شہادت کے بعد میں نے امام حسن عسکریؑ کو دیکھا کہ تشریف لائے اور اپنے پدر بزرگوار کی نماز جنازہ پڑھائی میں سمجھ گیا کہ ہمارے امام اب امام حسن عسکریؑ ہیں ۔

کشف الغمہ میں ابوہاشم جعفری سے روایت ہے کہ میں امام علی نقیؑ کے بڑے فرزند یحییٰ کے انتقال کے بعد امام سے ملنے گیا ۔ جب میری نظر آپ کے فرزند حسن عسکریؑ پر

پڑی تو میں نے سوچا کہ یہ قصہ بھی امام جعفر صادقؑ کے فرزند اسمٰعیل اور موسیٰ کاظمؑ جیسا ہے کہ اسمٰعیل آپ کی زندگی میں فوت ہوئے اور دوسرے فرزند موسیٰ کاظمؑ امام ہوئے۔ میں دل میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ امام نے میری طرف بغور دیکھا اور فرمایا جعفری تمہارا خیال بالکل بجا ہے۔ میرے بعد یہ فرزند حسن عسکریؑ میرا جانشین ہے۔

حسن ابن ظریف کہتا ہے کہ میں بخار میں مبتلا تھا۔ تکلیف سے بے چین ہو کر امام کی خدمت میں پہنچا۔ امام نے دریافت فرمایا کہ اے حسن ابن ظریف تو کچھ اپنے بخار کے متعلق کہنا چاہتا ہے۔ میں نے عرض کیا فرزند رسول میں بڑی تکلیف میں ہوں۔ فرمایا کاغذ پر لکھو "یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰی اِبْرٰهِیْمَ" اور سر پہ باندھ لو۔ حسن بن ظریف کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا اور بخار جاتا رہا۔ پھر جس کو میں نے یہ دعا بتائی اس کو شفا حاصل ہوئی۔

آپ کے خادم نصر سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضرت امام عسکریؑ رومی، ترکی، ہندی، صقلابی جو بھی آتا ہے اس کی زبان میں اس سے باتیں کرتے ہیں میں سوچتا تھا کہ جو مدینہ میں پیدا ہوا ہو اور تا حیات پدر کسی سے گفتگو نہ کی ہو اور کسی نے اس کو دیکھا بھی نہ ہو وہ اتنی زبانوں سے کیسے واقف ہو گیا۔ کہ ہر شخص سے اس کی زبان میں گفتگو کرے۔ امام نے میری طرف دیکھ کر فرمایا اے نصر حق تعالٰی جس کو اپنی حجت قرار دیتا ہے اس کو ہر چیز کی معرفت بھی عطا فرماتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر حجت اور غیر حجت میں فرق ہی کیا رہے گا۔ اس امر میں تعجب نہ کرو۔

علامہ سبط ابن جوزی اپنی کتاب تذکرۃ الخواص میں لکھتے ہیں کہ آپ (امام حسن عسکریؑ) کی احادیث میں سے شراب کے متعلق آپ کی حدیث عجیب و غریب ہے۔ میرے (مولف) کے جدِ مادری ابوالفرج نے اپنی کتاب "تحریم خمر" میں ذکر کیا ہے۔ اور میں نے ان کے خط سے ہی نقل کیا ہے اور انھیں کہتے ہوئے بھی سنا ہے کہ

میں اللہ گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے محمد بن علی بن حسین علوی کو کہتے ہوئے سنا وہ کہتا ہے میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے حسنؑ بن علی عسکریؑ کو کہتے ہوئے سنا وہ فرماتے ہیں میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنے پدر بزرگوار علیؑ بن محمدؑ کو کہتے ہوئے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنے پدرِ بزرگوار علی بن محمدؑ کو کہتے ہوئے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے اپنے پدر عالی قدر موسیٰؑ کو کہتے ہوئے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت جعفر بن محمدؑ کو فرماتے ہوئے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں اللہ کو شاہد بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنے والد محمدؑ بن علیؑ کو فرماتے ہوئے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنے والدِ بزرگوار علیؑ بن حسین کو کہتے ہوئے سنا۔ وہ فرماتے ہیں میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنے والدِ بزرگوار حسین بن علی کو فرماتے ہوئے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والدِ گرامی حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے محمد رسول اللہؐ کو یہ کہتے ہوئے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے میکائیل کو کہتے ہوئے سنا وہ کہتا ہے میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہے کہ میں نے اسرافیل کو کہتے ہوئے سنا وہ کہتا ہے میں نے لوحِ محفوظ پر خداوند عالم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ شراب پینے والا بُت پرست ہے۔ جہاں میرے جدّ مادری نے یہ حدیث نقل کی ہے کتاب تحریم الخمر میں تو کہا ہے کہ ابوالنعیم فضل بن وکین کا قول ہے کہ یہ حدیث صحیح اور ثابت ہے کہ جسے عترتِ طیبہ طاہرہ نے روایت کیا ہے اور ایک جماعت نے بھی روایت کیا ہے جن میں ابن عباس۔ ابوہریرہ۔ انس۔ اور عبداللہ بن ابوروفی اسلمی وغیرہ ہیں۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام

حضرت محمدؑ بن حسن بن علی بن محمد بن علیؑ بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علیؑ بن حسین بن علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ آپ کی کنیت ابو عبداللہ اور ابوالقاسم ہے۔ وہ جناب خلف حجت صاحب الزماں قائم اور منتظر ہیں۔ اور وہ جناب آخری امام ہیں۔

عبدالعزیز بن محمود بن بزاز نے ابن عمر سے حدیث بیان کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا آخری زمانہ میں میری اولاد میں سے ایک شخص خروج کرے گا جس کا نام میرا نام اور جس کی کنیت میری کنیت ہے۔ وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جیسے کہ وہ ظلم و جور سے پُر ہو گی۔ پس یہ جناب وہی مہدی ہیں۔ یہ حدیث مشہور ہے۔

ابو داؤد اور زہری نے حضرت علیؑ سے اسی مفہوم کی حدیث نقل کی ہے۔ اس میں ہے کہ آپ نے فرمایا اگر زمانے میں سے صرف ایک دن بھی باقی رہ جائے تو بھی خدا میرے اہلِ بیت میں سے ایک شخص کو بھیجے گا جو زمین کو عدل وانصاف سے پُر کرے گا۔ اور اس حدیث کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔ آپ کو دو ناموں والا بھی کہا جاتا ہے۔ محمدؐ اور ابوالقاسم۔ آپ کی والدہ گرامی کا نام نرجس خاتون ہے۔ آپ کی ولادت سامرہ میں ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ کو ہوئی ۲۶۰ھ سے غیبتِ صغریٰ اور ۱۵ شعبان ۳۲۹ھ سے غیبتِ کبریٰ شروع ہوئی۔

سدی نے کہا ہے کہ حضرت مہدیؑ اور حضرت عیسیٰ بن مریمؑ جمع ہوں گے اور نماز کا وقت آئے گا تو حضرت امام مہدیؑ حضرت عیسیٰ سے فرمائیں گے کہ آگے بڑھئے اور نماز پڑھائیے تو حضرت عیسیٰ کہیں گے کہ آپ نماز پڑھانے کے زیادہ حقدار ہیں لہٰذا حضرت عیسیٰ امام مہدی کے پیچھے ماموم ہو کر نماز پڑھیں گے

اس سلسلے میں کتاب کے مولف سبط ابن جوزی کہتے ہیں کہ اگر حضرت مہدی حضرت عیسیٰؑ کے پیچھے نماز پڑھتے تو جائز نہ ہوتا۔ اور اس کی دو وجہیں ہیں :۔

۱۔ یہ کہ حضرت مہدیؑ نماز میں ماموم ہونے کی وجہ سے امامت سے نکل جاتے اور تابع ہو جاتے (حالانکہ آپ امام اور متبوع ہیں)

۲۔ یہ کہ چونکہ سرکارِ رسالت مآبؐ فرما چکے تھے کہ " لانبی بعدی " اور تمام شریعتیں فسخ ہو گئی تھیں۔ اگر حضرت عیسیٰؑ امام مہدی کو نماز پڑھاتے تو " لانبی بعدی " والا ارشاد غبارِ شبہ سے گدلا ہو جاتا۔

علامہ مقدس اردبیلی نے اپنی کتاب حدیقۃ الشیعہ میں کتاب خرائج کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک روز امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب خطبہ فرما رہے تھے آخر میں آپ نے ارشاد فرمایا " سلونی قبل ان تفقدونی " صعصعہ ابن صوحان نے کھڑے ہو کر سوال کیا کہ یا امیر المومنین دجّال کب ظاہر ہو گا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اسرارِ مخفیہ میں سے ایک راز ہے جس کے اظہار کی اجازت نہیں۔ لیکن میں تم کو کچھ نشانات بتائے دیتا ہوں۔ سنو یہ وہ وقت ہو گا جبکہ لوگ نماز کو معمولی چیز سمجھ کر اکثر ترک کر دیں گے۔ امانت میں خیانت عام ہو گی۔ دروغ۔ افترا۔ رشوت خوری حلال سمجھی جائے گی۔ دین دنیا کے بدلے فروخت ہو گا۔ عورتوں سے مشورے ہوں گے۔ بے وقوف مناصبِ عالیہ پر فائز ہوں گے۔ صلۂ رحم منقطع ہو جائے گا۔ لوگ خواہشات کے مطیع ہو جائیں گے۔ قتل و خون ریزی عام ہو گی۔

علم ضعیف ہو جائے گا۔ ظلم کو قوت حاصل ہو گی۔ اُمرا فاجر ہو جائیں گے۔ وزرا ظالم ہوں گے۔ عالم خیانت پیشہ بن جائیں گے۔ قاری فاسق و فاجر ہو جائیں گے۔ مکر و زور عام ہو گا۔ فسق و فجور ترقی کرے گا۔ مینارِ مسجد بلند ہوں گے۔ بہتان شائع ہو گا۔ گناہ اور بدی رونق پکڑے گی۔ نمازیوں کی صفیں درہم شدہ متحد ہو جائیں گی۔ مگر دل متفرق ہوں گے۔ وعدہ خلافی عام ہو گی۔ عورتیں تجارت میں مردوں کے شریک ہو جائیں گی۔ فاسق و فاجر کی آواز سنی جائے گی۔ قوم کے سردار اور کارساز ذلیل ترین انسان ہوں گے فاجروں سے لوگ خائف ہوں گے۔ کاذب صادق کہلائیں گے۔ اور خائن امین کہے جائیں گے۔ عورتیں مردوں کی صورت اختیار کریں گی۔ اور مرد عورتوں کی۔ عورتیں مردوں کی طرح گھوڑے پر سوار ہوں گی۔ اور سفر کریں گی۔ سچی گواہی نہ سُنی جائے گی۔ جھوٹی گواہی کارآمد ثابت ہو گی۔ بے معرفت۔ ناواقف فقیہہ۔ بے علم مفتی اور جاہل عالم بن جائیں گے۔ اور کارہائے دنیا کو کارہائے آخرت پر ترجیح دیں گے۔ بھیڑ کی کھال پہنیں گے۔ مگر خود بھیڑیئے ہوں گے۔ لہٰذا تمہیں چاہیئے کہ ایسے زمانہ میں گوشہ نشینی اختیار کرو۔ اور سب سے بہتر مسکن بیت المقدس ہے۔ اصبغ بن نباتہ نے اُٹھ کر سوال کیا یا امیرالمومنین دجّال کون ہے؟ فرمایا دجّال وہ ہے جو اس کی تصدیق کرے گا۔ وہ شقی ہے اور جو تکذیب کرے گا وہ سعید ہے۔ وہ اصفہان سے خروج کرے گا۔ داہنی آنکھ نہ ہو گی اور بائیں آنکھ اس کی پیشانی پر سرخ ستارے کی مانند چمکتی ہو گی۔ پیشانی پر کافر لکھا ہو گا۔ سرخ گدھے پر سوار ہو گا۔ جس چشمے پر پہنچے گا وہ چشمہ زیرِ زمیں پوشیدہ ہو جائے گا۔ اس کے تمام مطیع اولادِ زنا سے ہوں گے۔ اور وہ جہاں بھی اپنے ہمراہیوں کے ساتھ جائے گا یہ آواز بلند کرے گا۔ (انا ربکم الاعلیٰ) اور اس کو بقیۃ اللہ بردرِ جمعہ قتل کرے گا۔

اس کے بعد طامہ کبریٰ ہے۔ لوگوں نے پوچھا یا امیرالمومنین وہ کیا ہے۔ فرمایا وہ دابتہ الارض کے ظاہر ہونے کا وقت ہے

امیرالمومنین نے فرمایا کہ اس کے بعد جو کچھ ہوگا اس کی بابت سوال مت کرو کہ رسولِ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں عترتِ رسول کے اس راز کو ظاہر نہ کروں۔ نزال بن سیرہ جو وہاں موجود تھے انھوں نے صعصعہ سے دریافت کیا کہ "دابتہ الارض" سے کیا مراد ہے۔ صعصعہ نے کہا۔ اس سے مراد وہ ہے جس کے پیچھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نماز پڑھیں گے جو عترت رسول اکرمؐ سے بارہویں ۱۲ ہوں گے اور اولادِ حسین علیہ السلام سے نویں ۹۔ امام مہدی علیہ السلام درمیانِ صفا و مروہ ظہور فرمائیں گے۔ میزانِ عدل قائم کریں گے اور ہر گناہ کا وجود دُنیا سے اُٹھ جائے گا۔

سلسلۂ نسب

حضرت امام علی نقی علیہ السلام بن حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے چار فرزند اور ایک دختر تھیں۔ اول حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام جو سلسلۂ امامت کے گیارہویں امام ہوئے۔ دوسرے بیٹے حضرت مرتضیٰ الاعظم جعفر ثانی تھے جن کی ولادت سر من رائے میں ہوئی۔ جو سامرہ کے نام سے مشہور ہے اور وفات ۵ صفر ۲۷۱ھ کو سامرہ میں ہوئی۔ امام علی نقی علیہ السلام کے تیسرے بیٹے کا نام حسین اور چوتھے کا محمدؐ تھا۔ حضرت جعفر ثانی کے تین بیٹے تھے۔ علی اصغر۔ ابو احمد عبداللہ اور اسمٰعیل۔ سید علی اصغر بن سید جعفر ثانی کنیت ابو جعفر لقب جمیل اللہ۔ آپ کی ولادت اور وفات بھی سامرہ میں ہوئی آپکے ایک فرزند تھے جن کا نام سید ابو احمد عبداللہ تھا جن کی ولادت اور وفات سامرہ میں ہوئی ان کے دو بیٹے تھے۔ سید ابو محمد احمد مقبول اور سید محمدؐ کنیت ابو الحارث۔ سید ابو محمد احمد مقبول کی ولادت اور وفات سامرہ میں ہوئی۔ آپ کے دو فرزند ہوئے۔ سید ابو حامد محمود ابو یوسف اور سید ابو علیؑ۔ سید ابو حامد کی ولادت اور وفات سامرہ میں ہوئی۔ آپکے ایک بیٹے سید محمد کیمیا نظر تھے جن کی ولادت اور وفات سامرہ میں ہوئی۔ ان کے ایک فرزند تھے جن کا اسم گرامی سید جعفر ثالث تھا ان کی ولادت اور وفات سامرہ میں ہوئی۔ آپ کے علم و فضل کا چرچا ہر طرف تھا۔ آپ کی شادی فاطمہ بنت سید ابو القاسم حسن سے ہوئی۔ جو اپنے زمانے کے مشہور و معروف عالم و فقیہہ تھے اور ایک مشہور و نایاب کتاب نافع کے مصنف تھے۔ جعفرِ ثالث کے ایک فرزند پیدا ہوئے جن کا نام سید علیؑ ابو المؤید تھا۔

حضرت سید علی ابو المؤید بن سید جعفر ثالث حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی

درگاہ کے کلید بردار تھے اور حجتہ الاسلام و مجتہد العصر کے منصب پر فائز تھے ایک روایت ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے مشہور حافظِ قرآن اور قاری تھے۔ اسی سلسلہ میں آپ سلطان محمد خدا بندہ کے عہد میں بخارہ تشریف لائے تھے۔ بخارہ ان دنوں علوم اسلامیہ کا مرکز تھا۔ یہاں آپ نے "جامعہ علویہ" کی بنیاد رکھی۔ یہ درسگاہ بہت جلد تشنگانِ علومِ اسلامی کا مرکز بن گئی۔ اس جامعہ کی شہرت عالمِ اسلام میں ہر طرف پھیل گئی۔ جب جناب غوث بہاؤ الدین زکریا بخارا تشریف لے گئے تو آپ نے بھی اس درس گاہ سے فیض حاصل کیا اور حضرت سید علی ابوالموئید سے بھی شرفِ نیاز اور فیوض و برکات حاصل کیئے۔ سلطان خدابندہ والی بخارہ چونکہ مذہب شیعہ اثنا عشری کا پیرو تھا اس لئے خاندانِ سادات کی محبت جزِ ایمان سمجھتا تھا اور ان کی قدر و منزلت اس کے دل میں تھی۔ اسی لئے سلطان نے اپنی دختر حضرت سید علی ابوالموئید کے عقد میں دے دی جس کے بطن سے ۵۹۵ھ / ۱۱۹۸ء میں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام سید جلال الدین حسین رکھا گیا۔ سلطان خدا بندہ نے اپنی اس خواہش کا بھی اظہار کیا کہ نماز جمعہ میں خطبہ بھی آپ کے نام کا پڑھا جائے۔ کچھ دنوں تک تو آپ نے مصلحتاً قبول فرمایا۔ چونکہ آپ عبادت الہٰی میں مشغول اور تارک الدنیا تھے اس لئے آپ نے کاروبارِ حکومت پھر سلطان کے سپرد کر دیا۔ آپ کا انتقال بخارا میں ہوا۔

"خطۂ پاک اوچ" کے مصنف جناب مسعود حسن صاحب شہاب کتاب کے صفحہ ۲۱۲ پر لکھتے ہیں کہ حضرت سید جلال سرخ نور اللہ مرقدہٗ کے ابتدائی حالاتِ زندگی جن کا تعلق بخارا کی سرزمین سے ہے ان کا تذکرہ ایک قلمی کتاب "انسابِ جلالی" میں کسی قدر تفصیل سے مذکور ہے۔ اس کتاب کو سید صفی الدین محمد شاہ بخاری نے ترتیب دیا ہے۔ جو غالباً دسویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ اور اوچ کے خانوادۂ بخاری

سے تعلق رکھتے ہیں۔ ابتدا میں حضرت سید علی ابو المؤید کا تذکرہ کرتے ہوئے صاحبِ کتاب انساب جلالی لکھتے ہیں کہ :۔

"حضرت سید جلال سرخ بخاری کی والدہ ماجدہ بخارا کے بادشاہ سلطان محمد خدا بندہ کی بیٹی تھیں۔ سلطان خدا بندہ چنگیز خان کی اولاد میں سے تھا۔ اس کی تین بیٹیاں تھیں۔ اس نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ اپنی تینوں بیٹیاں سادات کے گھرانوں میں بیاہے گا۔ چنانچہ ایک لڑکی ساداتِ کرمان کے خاندان کو دی۔ دوسری بیٹی سید جمال الدین کے عقد میں دی جو اس زمانے میں سادات کے سربرآوردہ فرد تھے۔ اور تیسری لڑکی عرب کے کسی خانوادہ سادات کے لئے مخصوص کر رکھی تھی۔ اس زمانہ میں حضرت سید جلال سرخ بخاری کے والدِ گرامی سید علی ابو المؤید مدینہ منورہ میں تھے۔ وہاں سے وہ سادات کے ایک قافلے کے ہمراہ بخارا تشریف لائے۔ سلطان محمد خدا بندہ نے اس گروہِ سادات کی پذیرائی بڑے اچھے طریقے پر کی۔ اور مہمان داری کا اعلیٰ پیمانے پر انتظام کیا اور اس فکر میں غلطاں ہوا کہ ان میں سے کس سے اپنی بیٹی کا عقد کرے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کی جانب توجہ کی۔ خواب میں ایک حلیہ دکھائی دیا۔ اور یہ بھی بتایا کہ اس گروہ میں ایک سید زادہ ہے جس کی سماعت میں نقص ہے وہی گوہرِ مراد ہے۔ بادشاہ جب ان حضرات سے ملا تو اسے مطلوبہ حلیہ کا شخص نظر نہ آیا۔ اس نے ان سے دریافت کیا کہ کیا کوئی اور بزرگ بھی آپ کے ہمراہ ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ہاں ایک اور صاحب بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ مگر چونکہ انہیں کانوں سے کم سنائی دیتا ہے اس لئے ہم انہیں ساتھ نہیں لائے۔ بادشاہ نے بتایا کہ ہمیں ان ہی کا انتظار تھا۔ اور ان ہی سے اپنی بیٹی کی شادی کا ہمیں حکم ملا ہے۔ حضرت سید ابو المؤید کو بلایا گیا۔ بادشاہ انہیں دیکھتے ہی بول اٹھا کہ یہ وہی

بزرگ ہیں۔ جن کا حلیہ مجھے دکھایا گیا تھا۔ اور جن سے قرابت داری کا مجھے ایما ہوا تھا۔ چنانچہ سید علی ابوالموید شاہزادی کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگئے۔ سلطان خدا بندہ چونکہ مسلک شیعہ (اثنا عشری) پر کاربند تھا اور اس مسلک کی رو سے خلافت و حکومت کا حق صرف سادات کو حاصل ہے اس لئے سلطان نے آپ کو بادشاہت کی مسند پیش کردی۔ اور خود آپ کا وزیر بن گیا۔ اسی سبب سے سید علی ابوالموید کا لقب سلطان پڑگیا۔ سید علی ابوالموید کے گھر اس شاہزادی کے بطن سے حضرت سید جلال سرخ بخاری پیدا ہوئے۔

حضرت مخدوم سید جلال الدین حسین سرخ بخاری بن سلطان سید ابوالموید کنیت ابوالبرکات۔ ابو محمد۔ القاب میر بزرگ ۔ میر سرخ۔ مخدوم اعظم جلال اکبر۔ عظیم اللہ۔ ابو احمد اور شریف اللہ (خزینۃ الاصفیا رجلد دوم صفحہ ۳۵) ولادت سنہ ۵۹۵ھ / ۱۱۹۸ء بمقام بخارہ آپ بعد انتقالِ سلطان خدا بندہ حج و زیارات کے لئے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ راستہ میں اپنے بزرگوں کے مزارات مقدسہ پر بھی حاضری دی جو مشہد۔ سامرہ (بغداد) کربلائے معلی اور نجفِ اشرف میں ہیں۔ جب آپ مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں کچھ دنوں قیام فرمایا۔ ساداتِ کرام مدینہ منورہ نے آپ کے شرفِ سیادت کو تسلیم نہ فرمایا اور آپ سے شجرۂ نسب طلب کیا۔ اسی سلسلۂ بحث نے طول کھینچا آخر یہ طے پایا کہ مزارِ مقدسِ رسولِ کریم سے استعانت طلب کی جائے۔ لہٰذا وقتِ مقررہ پر حضرت سید جلال سرخ بخاری اور دوسرے ساداتِ کرام روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے۔ مخدوم سید جلال بخاری نے دست بستہ کمالِ ادب و احترام سے سلام عرض کیا اور فرمایا۔ السلام علیکم یا والدی۔ روضۂ مقدس سے آواز آئی۔ وعلیکم السلام یا ولدی و قرت عینی و سراج کل امتی انت منی وعن اہل بیتی۔ حاضرین نے جب یہ

مقدس آواز سنی اہلاً وسہلاً مرحباً کا شور بلند کیا اور تمام سادات کرام نے آپ کی بزرگی و شرافت کو قبول فرمایا۔ اور انتہائی تعظیم و تکریم سے پیش آئے۔

حج و زیارت سے فراغت کے بعد آپ بخارا تشریف لے گئے۔ لیکن وہاں اولادِ خدا بندہ کا اچھا برتاؤ نہ دیکھا اور آپ بخارہ سے مشہدِ مقدس روانہ ہو گئے اسی دوران بخارہ میں ایک عظیم قحط رونما ہوا لوگ موت کا شکار ہونے لگے۔ اہلِ بخارہ نے یہ سمجھا کہ یہ قیامت حضرتِ جلال بخاری کی ناراضگی کے باعث نازل ہوئی ہے اس لئے آپ کو مشہدِ مقدس آکر وطن لے گئے۔ جہاں آپ نے خداوند عالم کی درگاہ میں پنجتن پاک کا واسطہ دے کر دعا کی اور وہ قحط ختم ہوا۔ چند روز آپ نے بخارہ میں قیام فرمایا اور پھر مشہد مقدس واپس تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ اپنے جدّ بزرگوار حضرت امام رضا علیہ السلام کے روضۂ اقدس کی مجاوری فرمائی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ مشہد سے بخارہ نہیں گئے اور وہیں سے اہلِ بخارہ کے حق میں دعا فرمائی۔ اور پروردگارِ عالم نے اہلِ بخارہ کو اس قحط سے نجات بخشی۔

صاحب "انسابِ جلالی کتاب کے صفحہ ۲۱۸ پر لکھتے ہیں کہ آپ (مخدوم جلال سرخ بخاری) کی پیدائش بخارہ میں ہوئی اور وہیں آپ پلے بڑھے جب آپ بڑے ہوئے تو آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ سلطان محمد خدا بندہ کا دلی منشا یہ تھا کہ والد کے بعد مسندِ حکومت پر سید جلال سرخ بخاری کو متمکن کیا جائے۔ لیکن حضرت موصوف کو طبعاً اس کی رغبت نہیں تھی۔ اس لئے آپ زیارتِ حرمین شریفین کے ارادہ سے بخارہ سے روانہ ہو گئے۔ اور کچھ مدت تک وہیں قیام پذیر رہے۔ اس اثنا میں سلطان محمد خدا بندہ فوت ہو گیا اور اس کا بیٹا بادشاہ بن گیا۔ اس کے عہد

حکومت میں حضرت سید جلال بخاری مدینہ منورہ سے بخارہ واپس تشریف لائے۔ لوگوں نے آپ کا شاہانہ استقبال کیا اور شائقینِ زیارت کا ایک جم غفیر ان کے گرد جمع ہو گیا۔ بادشاہ کو فکر دامن گیر ہوئی کہ کہیں سلطنت اس کے ہاتھ سے نکل کر سید جلال بخاری کے قبضہ میں نہ چلی جائے۔ کیونکہ بہر حال ان کے والد میرے والد کے زمانے میں بادشاہ تھے۔ اس اندیشہ کے تحت وہ آپ کے درپے آزار ہوا تاکہ آپ تنگ آکر بخارہ سے کہیں باہر تشریف لے جائیں۔ حضرت موصوف کو بھی القاء ہوا کہ بخارہ سے نقلِ مکانی فرمائیں۔ اور اس کا خمیازہ بخارہ کے لوگوں کو بھگتنا پڑے گا۔ حضرت موصوف وہاں سے حضرت امام رضا علیہ السلام کے مزارِ مقدس مشہد میں آگئے۔ اور وہاں قیام پذیر ہوئے آپ کے بخارہ سے آجانے کے بعد بخارا میں قحط سالی اور وباؤں کا دور دورہ ہوا وہاں کے لوگ مل کر مشہد پہنچے اور آپ سے بصد عجز و نیاز درخواست کی کہ آپ واپس تشریف لے چلیں۔ آپ نے ایماءِ غیبی کے بموجب واپس ہونا گوارا نہ فرمایا اور ان لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ تم نے محض دنیا کے لئے مجھے تکلیف پہنچائی ہے، تم بھی وہاں زیادہ عرصہ دادِ حکمرانی نہ دے سکو گے۔

کچھ عرصہ مشہد مقدس میں قیام کے بعد حضرت جلال بخاری ہندوستان تشریف لے آئے کیونکہ سندھ کا علاقہ آپ کے جدِّ امجد امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے دورِ خلافت میں فتح ہو چکا تھا۔

علامہ ابو الحسن احمد بن یحییٰ بلاذری نے اپنی کتاب فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ ۳۹ ہجری میں سب سے پہلے سندھ کو حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے زمانہ خلافت میں آپ کے حکم سے فتح کیا گیا اور حارث بن مرہ نے یہاں مسلم حکومت کی بنیاد رکھی۔

ابو محمد عبداللہ دینوری نے بھی المعارف کے صفحہ ۹۵ مطبوعہ مصر پر لکھا ہے کہ مسلمانوں کی سب سے پہلی حکومت حضرت علی مرتضیٰؑ کے زمانہ خلافت میں قائم ہوئی۔ حارث بن مرہ اور دیگر سپہ سالار خشکی کے راستے ہی مکران ہوتے ہوئے سندھ میں داخل ہوئے۔ اور امیر المومنین کی ہدایت کے مطابق اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے بعد سندھ پر آلِ شہنب کی حکومت بھی رہی جس کا تذکرہ تاریخ فرشتہ میں موجود ہے۔ اس حکومت کے کچھ عرصہ کے بعد محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا اور تھوڑے ہی عرصے کے بعد واپس چلا گیا۔

روزنامہ "امن" کراچی ۱۰ جولائی ۱۹۸۶ء صفحہ ۶ کالم ۵ پر سندھ کے مشہور دانشور اور سیاست دان جناب فاضل راہو اور جناب حسین بخش ناریجو کا ایک مشترکہ بیان شائع ہوا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جو افراد غیر جانب داری سے تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں اور تاریخی حقائق کو مسخ نہیں کرتے وہ جانتے ہیں کہ محمد بن قاسم کس کے کہنے پر سندھ آیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ یہ حقائق "چچ نامہ" جیسی قدیم اور عالمی شہرت یافتہ تاریخ میں تحریر ہیں۔ اور مذہب کے نام پر حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ یہ عربوں کی لکھی ہوئی تاریخ ہے کہ محمد بن قاسم دو عورتوں کو راجہ داہر کے مظالم سے نجات دلانے کے لئے سندھ آیا تھا۔ لیکن یہاں سے ہزاروں لڑکیوں کو اپنے ساتھ عرب لے گیا۔ عرب مورخین نے اس معاملہ پر تفصیل سے لکھا ہے کہ یہاں سے جانے کے بعد محمد بن قاسم کا انجام کیا ہوا۔ اس کی لاش پر کوڑے برسائے گئے۔ ان دانشوروں نے مزید کہا کہ بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی میں آج بھی ایک ایسی کتاب موجود ہے جس میں لکھا ہے کہ محمد بن قاسم کو حجاج نے سندھ اس لئے بھیجا تھا کہ وہ وہاں جا کر اس کے سیاسی مخالفین "سیدوں" کا کام تمام کرے۔ ان رہنماؤں نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ ہم ابھی تک حقیقت پسند نہیں ہوئے

ہیں۔

یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ محمد بن قاسم کے حملے کی وجہ سے سندھ میں اسلام نہیں پھیلا بلکہ یہاں اسلام ان سیدوں نے پھیلایا جو بنی امیہ اور بنی عباس کی حکومتوں کے مظالم سے تنگ آکر سندھ کی طرف ہجرت کے لئے مجبور ہوئے۔

سندھ کے عوام نے نہ صرف مظلوم اور ستم رسیدہ سادات کے دین کو قبول کیا بلکہ انھیں پناہ بھی دی۔ مسلمانوں کی دو تاریخیں ہیں۔ ایک سادات عظام اور اولیائے کرام کی تبلیغی تاریخ جنھوں نے ہجرت کے ظلم و ستم برداشت کئے اور مظلومیت کا پیکر بن کر اسلام کی تبلیغ کی۔ اس تاریخ پر مسلمان فخر کر سکتے ہیں۔ دوسری نام نہاد مسلمان حکمرانوں اور ملاؤں کی مشترکہ تاریخ ہے جو ظلم و بربریت اور قتل و غارت گری سے بھری پڑی ہے جہاں انصاف اور ایمان کا فقدان ہے۔

$\frac{142}{759}$ ھ ء کے لگ بھگ عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے عمر بن حفص کو والیٔ سندھ بنا دیا۔ اسی زمانہ میں سندھ میں شیعیت کا داخلہ ہوا اور عبداللہ اشتر علوی تبلیغ کے لئے یہاں پہنچا اور $\frac{270}{883}$ ھ ء میں پہلا اسمٰعیل داعی "ہیثم" سندھ میں آیا اپنے عقائد کی تبلیغ اور فاطمیوں کی بیعت کی تلقین کی۔ (تاریخِ سندھ از مولانا ابو ظفر ندوی اعظم گڑھ)

سندھ کے علاقہ پر $\frac{240}{854}$ ھ میں ہباری خاندان کی حکومت شروع ہوئی۔ عباسیوں کا برائے نام تعلق رہ گیا تھا۔ $\frac{290}{902}$ ھ ء میں ملتان کے بنو سامہ نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اس وقت سے سندھ کے مسلم مقبوضات ملتان اور منصورہ کی خود مختار ریاستوں میں منقسم ہو گئے۔ اور صدی کے اندر ہی اندر $\frac{373}{983}$ ھ ء میں اسماعیلی (شیعہ) ملتان پر قابض ہو گئے۔ اور "جلم بن شیبان" پہلا فاطمی حاکم مقرر ہوا۔

(تاریخ سندھ از مولانا ابو ظفر ندوی اعظم گڑھ)

"احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم" میں ہے کہ ملتان کے لوگ شیعہ ہیں اور اذان

میں حی علیٰ خیر العمل اور اقامت میں دو بار کلمات ادا کرتے ہیں (ہندوستان عربوں کی نظر میں" صفحہ ۳۹۱ دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۶۰ء)

ملتان میں شمس الدین سبزواری باطنی داعی اپنے عقائد کی تبلیغ کے لئے آیا جس کی قبر زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔ (تاریخ ملتان از جیلانی شاہ صفحہ ۲۱۹ مطبوعہ لاہور)

۶۳۵ھ/۱۲۳۸ء میں حضرت مخدوم جلال سرخ بخاری ہندوستان تشریف لائے اس زمانے میں شمس الدین التمش حکمران تھا آپ ملتان میں شیخ غوث بہاؤالدین زکریا کے مہمان ہوئے۔ چونکہ شیخ زکریا نے اپنے دورانِ قیام بخارہ میں حضرت مخدوم کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی۔ وہاں سے آپ بھکر تشریف لے گئے۔ مولانا عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب اخبار الاخیار مطبوعہ دہلی ۱۳۳۲ھ میں لکھتے ہیں کہ حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری شہر بھکر میں تشریف فرما ہوئے آپ نے حضرت سید بدرالدین علیہ الرحمۃ کی دختر سے عقد کا پیغام دیا حضرت سید موصوف چونکہ اجلّہ ساداتِ بخاری سے تھے آپ نے سندِ سیادت و شرافت کا مطالبہ کیا۔ حضرت جلال بخاری نے جواب دیا رات کو میری سیادت کا آپ کو علم ہو جائے گا۔ لہٰذا رات ہی کو حضرت سید بدرالدین نے خواب میں حضور رحمۃ اللعالمین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ارشاد فرمایا: "اے فرزند جلال بھی ہمارے فرزندوں میں سے ہے۔ اپنی دختر کا نکاح جلال کے ساتھ کردو چنانچہ سید بدرالدین نے نہایت مسرت کے ساتھ اپنی نورِ نظر بیٹی کا نکاح حضرت جلال کے ساتھ کر دیا۔" واضح رہے کہ سادات بھکری بھی نقوی ساداتِ کرام بخاری سے ہیں شجرہ میں حضرت جعفر ثانی کا نام بھی موجود ہے آپ کے دو صاحبزادے تھے ایک سید علی اصغر اور دوسرے سید اسمٰعیل اوّل الذکر کی اولاد حضرت جلال سرخ بخاری اور ثانی الذکر کی اولاد سید بدرالدین بھکری تھے۔ اسی لئے یہ شادی حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ کے حکم سے ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے

مستقل سکونت اوچ میں اختیار فرمائی۔

اوچ کی قدامت: اس شہر کا نام "اچہ" طبقاتِ ناصری اور سدیدالدین عوفی کے تذکرۂ لباب الالباب اور چچ نامہ میں مذکور ہے، یہ ایک قدیم اور تاریخی شہر ہے۔ یہاں سکندرِ اعظم بھی فاتح کی حیثیت سے آچکا ہے۔ ہندوؤں کے دور میں یہ شہر مرکزی حیثیت کا حامل تھا لیکن مسلمانوں کے دورِ حکمرانی میں اس کو بہت زیادہ عروج حاصل ہوا۔ مذہبی تعلیمات کا عرصہ تک مرکز رہا لیکن اوچ کو سب سے زیادہ ترقی ناصرالدین قباچہ کے عہد ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء تا ۶۲۵ھ/۱۲۲۸ء میں حاصل ہوئی۔ قباچہ کے عہد میں اوچ میں نامور علماء و فضلاء، علم و حکمت اور شعر و ادب کی محفلیں سجاتے تھے۔ تاتاریوں کی غارت گری اور دہشت گردی سے لوگ جان و مال کی حفاظت کیلئے اوچ پہنچے تھے اور قباچہ کی فیاضیوں سے سرفراز ہوتے تھے۔ قباچہ کا وزیر عین الملک بھی علم دوست اور علماء و شعراء کا بہت قدردان تھا۔ طبقات ناصری کے موٴلف قاضی منہاج سراج ۲۶ جمادی الاول ۶۲۴ھ/۱۲۲۷ء کو اوچ پہنچے اور مشہور درس گاہ "مدرسہ فیروزیہ" کا ناظم اعلیٰ ان کو مقرر کر دیا گیا۔ سدید الدین عوفی نے تذکرۂ لباب الالباب وزیر عین الملک ہی کی سرپرستی میں لکھا تھا۔ اس وزیر کے عہد میں مشہور تاریخ "چچ نامہ" کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔ اب اس کتاب کا ترجمہ اُردو اور سندھی میں بھی ہو چکا ہے۔ ۶۲۵ھ/۱۲۲۸ء میں ناصرالدین قباچہ شمس الدین التمش سے شکست کھا کر دریائے سندھ میں غرق ہو گیا۔ حضرت مخدوم جہانیانِ جہاں گشت کے زمانے میں بھی اوچ کو بہت زیادہ عظمت و شہرت حاصل ہوئی۔

"خطۂ پاک اوچ" کے مصنف جناب مسعود حسن صاحب شہاب تحریر فرماتے ہیں کہ اوچ کا سرسری جائزہ لینے سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ نیرنگیٔ زمانہ نے کئی بار اس شہر کو اجاڑا ہے اور حادثاتِ وقت کے تھپیڑوں نے بارہا اسے پامال کیا

مگر ہر بار ققنس کی طرح یہ ایک نیا جنم لیتا رہا۔ یہ خصوصیت بھی اس شہر کے مقدر کا طرۂ امتیاز ہے کہ جہاں اس کے در و دیوار تغیرات و انقلابات کا شکار ہوتے رہے ہیں۔ وہاں اس کا نام بھی تبدیلی کے اس حادثے سے محفوظ نہ رہ سکا۔ زمانۂ قبل از مسیح میں بیسیوں فاتحین اور طالع آزما حکمرانوں نے اس سرزمین کو اپنے قدموں کی جولانگاہ بنا دیا۔ اور ہر نامور فاتح نے اس شہر کے محل وقوع اور اس کی سیاسی و جغرافیائی اہمیت کے پیشِ نظر اپنے نام کو زندہ جاوید بنانے کے لئے اس شہر کی عظمت کا سہارا ڈھونڈا۔

اوچ کی بستی کب بسائی گئی اور کون لوگ تھے جنھوں نے اسے پہلے پہل آباد کیا۔ اس کے بارے میں تاریخ حتمیت کے ساتھ کوئی بات بتلانے سے قاصر ہے۔ البتہ آثار و قرائن کی رو سے جو قیاس آرائیاں کی جا سکتی ہیں ان کی بنا پر یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ آریاؤں کی آمد سے بہت پہلے اس شہر کی بنیاد پڑی اور یہاں اس تہذیب نے ابتدائیں جنم لیا جس کے ڈانڈے اس برصغیر میں ہڑپہ اور موئن جوڈرو سے اور عراق میں سمیری تہذیب سے ملے ہوئے تھے۔

علم الآثار اور ارضیات کے ماہرین نے ہڑپہ اور موئن جوڈرو کو ایک ہی تہذیب کی عملداری کے تابع قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے جب ہڑپہ اور موئن جوڈرو، جس کے درمیان چار سو میل کا فاصلہ ہے ایک ہی رشتہ میں منسلک ہو سکتے ہیں۔ تو اوچ بھی اس کل کا ایک جز کیوں نہ ہو گا۔

اوچ اور اس کے اطراف و جوانب کے علاقوں میں جو آثارِ قدیمہ اب تک دستیاب ہوئے ہیں ان کا اگر دقتِ نظر سے مطالعہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ اوچ کی قدامت موئن جوڈرو اور ہڑپہ سے کسی صورت کم نہیں ہے۔

اوچ تہذیبی۔ ثقافتی اور جغرافیائی لحاظ سے مملکت سندھ میں شامل ہے۔ اور سرزمینِ سندھ کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ خود نسل انسانی کی اپنی تاریخ۔

یہ وہ علاقہ ہے جہاں انسانی تہذیب و تمدن کا چراغ اس وقت روشن ہوا جب ابھی فطرت کے بہت سے اسرارِ مخفیہ کی نقاب کشائی بھی نہیں ہوئی تھی اور دھرتی اپنے رازوں کو اپنے سینے میں چھپائے انسانی عزم و ہمت کی آزمائش پر تلی ہوئی تھی۔

سندھ کے علاقہ کا قدیم آریائی نام "سپت سندھو" بھی تھا۔ یعنی سات ندیوں کی سرزمین۔ ایرانی اس کا تلفظ "ہپت ہندو" کرتے تھے۔ زرتشت کی مقدس کتاب "اوستا" کا مشہور باب جس میں جغرافیائی حالات بیان کئے گئے ہیں۔ اس میں واضح طور پر یہ درج ہے کہ "خالقِ کائنات نے جن علاقوں کو سب سے پہلے انسانی آبادی کے لئے منتخب کیا ان میں یہ خطہ بھی شامل تھا۔

اوچ میں آمد : بھکر میں کچھ عرصہ قیام کے بعد حضرت سید جلال سرخ بخاری اپنے خدام کے ساتھ اپنے دو صاحبزادوں کی تلاش میں نکلے جو آپ سے پہلے ہندوستان آئے تھے۔ مخدوم سید بدرالدین بھکری بھی کچھ دُور آپ کے ساتھ رہے۔ جب مئو (ایک قصبہ) پہنچے تو وہاں آپ کی ملاقات سلطان محمد تغلق (۱۳۲۵ء تا ۱۳۵۱ء) سے ہوئی جو ٹھٹھ کی مہم پر جارہا تھا۔ سلطان آپ کے اوصاف و کمالات کا ذکر حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی سے سُن چکا تھا۔ اس نے آپ کو دس گاؤں بطور جاگیر نذر کئے۔ مئو سے جب اوچ کے قریب پہنچے تو حضرت شیخ جمال خنداں رو آپ کی پیشوائی کو آگے بڑھے اور آپ کو اوچ لے کر آئے۔ اوچ میں ایک شخص کے گھر میں کوئی آسیب یا بلا تھی۔ آپ کو وہیں ٹھہرایا گیا۔ آپ کے قیام کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس بلا کو ہلاک کر ڈالا۔ یہ کرامت دیکھ کر سارا شہر آپ کا معتقد ہوگیا۔ "تاریخِ اوچ" میں مولوی حفیظ الرحمٰن نے ایک کنوئیں کا ذکر کیا ہے جس کا نام "چاہ کلمہ والا" تھا۔ جو بدرالدین نامی کسی بزرگ کے کہنے سے چلنے لگا تھا۔ جب سید جلال سرخ بخاری اوچ پہنچے اور آپ نے یہ کیفیت دیکھی تو کنوئیں کو بند کرنے کا حکم دیا۔ اس حکم کو سنتے

ہی کنواں رک گیا۔ جب بدرالدین مذکور کو علم ہوا تو انھوں نے کہا اوچ کا اصل مالک آگیا ہے اب یہ کنواں انہی کی اجازت سے چلے گا۔

"انساب جلالی" کے مصنف لکھتے ہیں کہ ملتان کے زمانہ قیام میں آپ کو اطلاع ملی کہ آپ کے ایک فرزند سید علی انتقال کر گئے۔ اور سید جعفر ایران واپس چلے گئے ہیں۔ چنانچہ آپ واپس اوچ تشریف لے آئے۔ اور یہیں آپ کے ہاں سید احمد کبیر کی ولادت ہوئی۔ سید احمد کبیر کی والدہ سید بدرالدین کی بیٹی تھیں۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید احمد کبیر کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ سید بدرالدین بکھری کی پوتی تھیں۔

حضرت سید جلال بخاری کے نزدیک تبلیغ اسلام کا طریقہ کار جنگ و جدال نہیں بلکہ محبت ہے جب تک دشمن اسلام جنگ کی ابتداء نہ کرے۔ کیونکہ محبت ہی اسلام کے حقیقی مفہوم کی ضامن ہے۔ فرمانبرداری۔ اطاعت۔ تابعداری۔ اور تسلیم و رضا کا عملی مظاہرہ محبت کے بغیر نہیں ہو سکتا جب اللہ و رسول سے حقیقی معنوں میں محبت ہو جائے گی تو خود بخود کتاب و سنت پر عمل پیرا ہونے کے جذبات پیدا ہوں گے اور یہی جذبات انسان کو آستانہ ولایت (علی کا آستانہ) تک لے جائیں گے اور مولیٰ کا حقیقی مفہوم انسان حاصل کرے گا۔ اسی لئے خانوادہ جلالیہ میں "بیعت" کا سلسلہ نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک "بیعت" صرف معصوم عن الخطا ہی لے سکتا ہے۔ غیر معصوم کی "بیعت" نہیں ہو سکتی۔ البتہ ان کے ہاں سلسلہ "خادمی" رائج ہے۔ (تحقیقاتِ چشتی از مولوی نور احمد چشتی لاہور ۱۳۲۴ھ م)

محمد ایوب قادری اپنی کتاب "مخدوم جہانیانِ جہاں گشت" میں لکھتے ہیں کہ حضرت سید جلال بخاری کے مقبرے کی موجودہ عمارت کو ۱۲۶۱ھ۔ ۱۸۴۵ء میں نواب بہاول خاں ثالث رئیس بہاولپور نے نہایت پائیدار صورت میں بنوایا مقبرہ

کے احاطہ میں ایک کنواں اور تالاب بھی کھدوایا پھر ۱۳۰۰ھ میں نواب صادق محمد خان رابع نے اس کی مرمت۔ وسعت اور خوبصورتی کا مزید اہتمام کیا۔ مقبرے کے دروازہ پر یہ رُباعی درج ہے ؎

یارب برسالت رسول الثقلین ؛ یارب بغزا کنندہ بدر و حنین
عصیان مرا دو حصہ کن در عرصات ؛ نیمے بہ حسنؑ بخش و نیمے بہ حسینؑ

خاندانی روایات و خصوصیات کے پیشِ نظر حضرت سید جلال بخاری نے اوچ میں جواب آپ کی سکونت کے باعث اوچ شریف کہلانے لگا "خانقاہِ جلالیہ" کی بنیاد رکھی جو تعلیمات اسلامیہ کی نشرو اشاعت کی بہترین درس گاہ ثابت ہوئی۔ اور جسے آپ کے فرزند سلطان سید احمد کبیر اور ان کے بیٹے حضرت سید جلال الحق مخدوم جہانیانِ جہاں گشت کے دور میں بے حد عروج حاصل ہوا۔ اس درس گاہ میں قرآن فہمی، تفسیر، حدیث۔ فقہ کی صحیح تعلیم اور ادب و علمِ کلام کے درس خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ برصغیر پاک و ہند کی تاریخ اولیا کا اگر مطالعہ کیا جائے تو یہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا کہ اس خطہ ارض میں تبلیغِ اسلام کی منظم تحریک خانقاہِ جلالیہ ہی سے شروع ہوتی ہے اس درس گاہ اسلامی سے توفیق یافتہ بزرگ مبلغِ اسلام بن کر ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے۔ خاندانِ جلالیہ کے افراد نے تبلیغ دین کی خاطر ہی اوچ شریف کی سکونت بھی ترک کی اور ملک کے مختلف گوشوں کو توحید اور رسالت و ولایت کی روشنی سے منور کیا۔

حضرت سید علاؤ الدین بخاری کشمیر میں۔ قطب العالم سید برہان الدین بخاری گجرات کاٹھیاواڑ میں۔ حضرت سید شہاب الدین بخاری چٹاگانگ میں۔ حضرت جلال مجرد بخاری سلہٹ بنگال میں۔ حضرت سید عبداللہ شاہ بخاری دہلی میں۔ حضرت سید محمد جلال الدین بخاری مدراس میں۔ حضرتِ سید اسماعیل بخاری

شکار پور ضلع بلند شہر یوپی میں اور مخدوم سید حامد نوبہار بخاری بنہیڑہ ضلع بجنور یوپی میں۔ ان حضرات کے علاوہ پنجاب سندھ۔ سرحد میں تو متعدد مقامات پر بخاری سادات کے مزارات اس کے شاہد ہیں۔ رب العزت کی یہ بھی ایک خاص کرم فرمائی ہے۔

مندرجہ ذیل عبارت والد صاحب قبلہ نے اب سے تقریباً پینسٹھ ستر سال قبل اوچ شریف میں اصل شجرہ سے نقل کی تھی۔ اس وقت وہاں کے سجادہ نشین مخدوم سید حسین بخش ناصر الدین ثامن تھے۔

"قطب الاقطاب شیر شاہ سید جلال الدین میر سرخ پوش بخاری بن سید علی ابوالموید بروز جمعرات علی الصباح ماہ رمضان المبارک ۵۹۵ھ کو بخارہ میں پیدا ہوئے۔ بروز منگل ۹ رجب المرجب ۶۴۱ھ کو اوچ میں تشریف لائے۔ آپ کا وصال بروز جمعہ ۱۹ جمادی الاول ۶۹۰ھ کو اوچ میں ہوا۔ آپ کے تین حرم محترم اس وقت موجود تھے۔

(۱) دختر بادشاہ بخارہ۔ ان سے آپ کے دو فرزند پیدا ہوئے سید علی اور سید جعفر

(۲) فاطمہ زہرہ خاتون بنت سید بدرالدین ان کے بطن سے، سید احمد کبیر اور سید معصوم پیدا ہوئے۔ سید معصوم کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا۔ آپ وہی خاتون ہیں جن کا عقد رسول کریم کے حکم سے ہوا تھا۔

(۳) آپ کی تیسری اہلیہ بھی سید بدرالدین کی دوسری بیٹی تھیں۔ جن کے بطن سے سید محمد غوث پیدا ہوئے۔ سید علی اور سید جعفر کا انتقال بخارا میں ہوا اور دونوں وہیں دفن ہوئے۔"

سلطان احمد کبیر کے دو صاحبزادے تھے مخدوم سید جہانیاں اور سید صدرالدین راجو قتال۔

"تاریخ اوچ" میں آپ کی اوچ میں آمد کا عیسوی سال ۱۲۴۳ء دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ کا وصال ۹۵ سال کی عمر میں ۲۰ مئی ۱۲۹۱ء کو ہوا۔ آپ کی تاریخ وفات "مخدوم" سے برآمد ہوتی ہے۔ مخدوم سید احمد کبیر کی والدۂ محترمہ کا اسم گرامی "فاطمہ" تھا۔ اور سید علی و سید جعفر کی والدہ کا نام حلیمہ خاتون تھا۔

سلطان سید احمد کبیر بخاری اپنے والد حضرت مخدوم سید جلال بخاری کے جانشین ہوئے۔ آپ بہت عبادت گزار اور صاحبِ کرامات بزرگ تھے کشف و کرامات کا اخفا فرمایا کرتے تھے۔ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور قرآنِ کریم سے بڑا شغف رکھتے تھے۔

"حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات میں ان کے والد گرامی مرتبت حضرت سید احمد کبیر کی روشن اور شاندار زندگی کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوف کس قدر صاحبِ کمال اور کیسے عظیم المرتبت بزرگ تھے۔ مخدوم جہانیاں فرماتے ہیں۔ "میرے والد خوفِ الٰہی کی وجہ سے بستر پر نہیں سوتے تھے۔ مبادا غفلت کی نیند سو جائیں۔ موسم سرما ہو یا موسم گرما صرف ایک چادر اوڑھتے تھے۔ دن رات میں ایک ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ جس وقت نماز ادا کرتے یا قرآنِ کریم کی تلاوت فرماتے تو آپ پر رقت طاری ہو جاتی اور اس طرح روتے کہ محسوس ہوتا کہ ان کے سینۂ مبارک سے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ میرے والد ہر وقت عشقِ الٰہی میں سرشار رہتے تھے۔" (بزمِ صوفیہ صفحہ ۳۵۶)

آپ کی زندگی کا بیشتر وقت اپنے والد محترم کی خانقاہ میں طالبانِ علم کی درس و تدریس میں بسر ہوتا تھا۔

آپ نے دو شادیاں کیں۔ پہلی اہلیہ محترمہ کے حضرت مخدوم سید جلال الحق جہانیاں جہاں گشت اور دوسری کے بطن سے حضرت سید صدر الدین راجو قتال پیدا ہوئے۔

اور دو صاحبزادیاں بھی پیدا ہوئیں۔

حضرت مخدوم سید احمد کبیر بخاری کا سن ولادت و وفات کسی معتبر ذریعہ سے باوجود تلاش کے نہ مل سکا۔ صرف ایک روایت ہے جس کو معتبر نہیں کہا جا سکتا۔ جس سے ظاہر ہوا کہ آپ کی ولادت سنہ ۶۹۰ھ میں ہوئی۔ یہ زمانہ غالباً جلال الدین فیروز خلجی کی حکمرانی کا تھا۔ جس نے سنہ ۶۸۹ھ / ۱۲۹۰ء تا سنہ ۶۹۵ھ / ۱۲۹۶ء حکومت کی۔ ایک دوسری کتاب میں آپ کا انتقال سنہ ۱۲۹۲ء عیسوی میں لکھا ہے۔ اور یہ دورِ حکومت بادشاہ علاؤالدین خلجی کا ہے جس نے سنہ ۶۹۵ھ / ۱۲۹۶ء سے سنہ ۷۱۵ھ / ۱۳۱۶ء تک ہندوستان پر حکومت کی۔

سید احمد کبیر بخاری اور آپ کے فرزند سید صدر الدین راجو قتال کا تذکرہ آئینِ اکبری جلد سوم صفحہ ۱۷۳ پر موجود ہے۔

سید صدر الدین راجو قتال بن مخدوم سید احمد کبیر کے پانچ بیٹے تھے۔ سید ابو الخیر۔ سید جلال۔ سید بندہ شاہ۔ سید روح اللہ اور سید ابو اسحاق۔

حضرت مخدوم سید جلال الحق جہانیانِ جہاں گشت آپ نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی اپنے چچا سید محمد غوث ابن سید جلال سرخ بخاری کی بیٹی سے اور دوسری شادی بادشاہ روم کی دختر سے۔ پہلی بیوی سے سید ناصر الدین محمود اور سید عبد اللہ قتال جبکہ دوسری اہلیہ سے سید جلال الدین محمد اور ایک بیٹی تھیں جو شرف الدین مشہدی کو منسوب تھیں۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد دوم صفحہ ۴۲۶)

مشہور مورخ نواب سید صدیق حسن خاں لکھتے ہیں کہ مخدوم زادہ سید عبد اللہ کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ وہ قدم شریف کے پاس دہلی میں دفن ہیں (العرش الشامی) مخدوم زادہ جلال الدین محمد جو بادشاہِ روم کی دختر سے تھے صاحبِ اولاد ہوئے تیسرے صاحبزادے سید ناصر الدین محمود تھے۔

کتاب سیر العارفین کے صفحہ ۱۵۵ پر مندرجہ ذیل اشعار مخدوم جہانیانِ جہاں گشت

کی شان میں لکھے ہیں۔

آں گوہرِ معدنِ سیادت ؛ سلطان سرادقِ سعادت
آں حامیٔ دین سلالۂ پاک ؛ فرزندِ نبیؐ خاص لولاک
بانیٔ شریعت و طریقت ؛ استاد مشائخ حقیقت
اندر پئے مصطفیٰؐ در اسلام ؛ از فقر نہادہ گام برگام
سیاحِ جہاں براہِ دینی ؛ برداشتہ توشۂ یقینی
ہم سائرِ بیت حج اکبر ؛ ہم زائرِ روضۂ پیمبرؐ
آمد زخدا بفتح بابش ؛ مخدوم جہانیاں خطابش
او صدرِ مشائخ معالیت ؛ در خدمتِ او دل جمالیت

حضرت مخدوم جہانیاں کی پرورش بہت ناز و نعم کے ساتھ ہوئی۔ ان کے عہدِ طفلی کا ایک واقعہ خاص طور سے قابلِ ذکر ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے مزاج میں ادب و شائستگی کو کس قدر دخل تھا۔ حضرت کی عمر سات سال کی تھی کہ ان کے والد سلطان احمد کبیر اوچ کے مشہور عالم شیخ جمال خنداں رو' کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مخدوم کو ساتھ لے گئے حضرت شیخ نے اس موقعے پر حاضرین کے سامنے کچھ خرمے پیش کیے۔ چند خرمے حضرت مخدوم کے حصے میں آئے۔ جن کو انھوں نے مع گٹھلیوں کے کھا لیا۔ حضرت شیخ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ کہ خرموں کو مع گٹھلیوں کے کیوں کھا گئے۔ حضرت مخدوم نے نہایت ادب سے جواب دیا کہ حضرت کے ہاتھ سے ملے ہوئے خرموں کی گٹھلیاں پھینکنی مناسب نہ تھیں حضرت مخدوم کی یہ گفتگو حضرت شیخ کو بہت پسند آئی۔ انھوں نے فرمایا: "کہ بابا ہاں۔ تم وہ صاحبزادے ہو کہ اپنے خاندان اور اپنے مشائخ کے خاندان کو روشن کرو گے۔" حضرت شیخ جمال خنداں رو کی یہ پیش گوئی

حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی (سیر العارفین صفحہ ۱۵۶ ۔ تاریخ فرشتہ اُردو ایڈیشن صفحہ ۶۸۵)

شیخ جمال الدین خنداں رُو کا خاندان علم و فضل کے اعتبار سے ہمیشہ ممتاز رہا۔ حضرت خود مخدوم جہانیاں کے استاد تھے۔ اس کے بعد ان کے خاندان کو بخاری مخادیم کی اتالیقی کی عزت برابر حاصل رہی ۔ مولوی حفیظ الرحمٰن اپنی ۱۹۳۱ء کی تالیف "تاریخ اوچ" میں لکھتے ہیں کہ آج تک یہ رسم ہے کہ جب بخاری سجادہ نشین کے گھر میں فرزند پیدا ہوتا ہے تو شیخ جمال الدین کی خانقاہ پر ایک گھوڑا بطور نذر کے تحفہ دیا کرتے ہیں۔ تاریخ اوچ صفحہ ۱۵۰

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی عمر تقریباً ۱۲ سال تھی کہ خلجی خاندان کا ۷۲۰ھ/۱۳۲۰ء میں خاتمہ ہوگیا۔

آپ کا لقب مخدوم جہانیانِ جہاں گشت اس لئے پڑا کہ آپ نے سیر و سیاحت بہت فرمائی اور خاص طور پر تمام ممالکِ اسلامیہ میں تشریف لے گئے اور فیوض و برکات حاصل کیے۔ مولانا عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار کے صفحہ ۱۴۲ پر تحریر فرماتے ہیں کہ مخدوم جہانیاں نے بہت سیاحت کی۔ اور بہت سے اولیائے کرام سے نعمت و برکت حاصل کی۔ مفتی غلام سرور لاہوری خزینۃ الاصفیاء جلد اول صفحہ ۵۴ پر لکھتے ہیں کہ حضرت مخدوم نے مصر، شام، عراقین، بلخ اور خراسان کا سفر کیا۔ اور متعدد نامور مشائخ سے فائدہ اور نعمت حاصل کی۔ اور بہت سے حج کئے ان میں سے چھ حج اکبر تھے۔ حضرت مخدوم کے ملفوظ خزانہ جلالی میں ایک مستقل باب سفر و تجارت سے متعلق ہے۔ حضرت مخدوم کا آغازِ سفر شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہونے کے بعد ہوا۔ حضرت مخدوم ۷۳۵ھ/۱۳۳۴ء میں شیخ الاسلام مقرر ہوئے۔ یہ زمانہ بادشاہ محمد تغلق کا تھا جس نے دہلی میں ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء سے ۷۵۲ھ/۱۳۵۱ء تک حکومت کی۔ مولانا

عبدالحق محدث دہلوی "اخبار الاخیار" کے صفحہ ۱۴۲ پر تحریر فرماتے ہیں کہ سلطان محمد تغلق کے زمانے میں شیخ الاسلام کا منصب اور سیوستان میں خانقاہ محمدی اور اس کے قریب کی دوسری خانقاہوں کی سند حاصل ہوئی۔

ڈاکٹر اشتیاق حبین قریشی اپنے کتاب دی ایڈمنسٹریشن آف دی سلطنت دہلی کے صفحہ ۱۹۰ پر لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام کا بہت اہم منصب تھا وہ صدر الصدور کے ماتحت ہوتا تھا۔ فقراء اور درویشوں کو سلطنت کی طرف سے جو وظائف ملتے تھے ان کے احکام شیخ الاسلام کے یہاں سے جاری ہوتے تھے۔ شیخ الاسلام کی تنخواہ صدر الصدور کے برابر ہوتی تھی۔ بادشاہ محمد تغلق کے زمانے میں شیخ الاسلام کو ساٹھ ہزار تنکے تنخواہ ملتی تھی۔

اکبر شاہ خان نجیب آبادی اپنی کتاب "آئینہ حقیقت نما" صفحہ ۴۲۸ مطبوعہ کراچی ۱۹۵۸ء میں تحریر کرتے ہیں کہ امور مذہبی کی حفاظت اور اجراءِ احکام شرع کا کام قاضی القضاۃ اور شیخ الاسلام سے متعلق ہوتا تھا۔ اور یہ محکمہ نہایت باا ثر اور زبردست سمجھا جاتا تھا۔ اور اس محکمہ کے سپرد شرک و بدعت اور الحاد و بے دینی کے انسداد اور روک تھام کا ضروری کام تھا۔

حضرت مخدوم نے غالباً فقہی اختلافات کی وجہ سے شیخ الاسلام کا عہدہ جلد ہی چھوڑ دیا اور حج و زیارات مقامات مقدسہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

سلطان فیروز تغلق کی حضرت مخدوم جہانیانِ جہاں گشت سے عقیدت کے بارے میں مشہور مورخ شمس سراج عفیف تاریخ فیروز شاہی کے صفحہ ۵۱۴ پر لکھتا ہے کہ حضرت مخدوم جب اوچ سے ایک دو برس کے بعد دہلی آتے اور فیروز آباد کے قریب پہنچتے تو بادشاہ "مد" تک آپ کے استقبال کے لئے آتا اور نہایت اعزاز و اکرام سے آپ کو شہر میں لاتا۔ حضرت مخدوم کبھی منارہ سے متصل کوشک

معظم میں۔ کبھی شفاخانہ میں اور کبھی شہزادہ فتح خان کی خانقاہ میں قیام کرتے تھے۔ جب حضرت مخدوم معمول کے مطابق اپنی قیام گاہ سے سلطان فیروز تغلق سے ملنے کے لئے تشریف لاتے تو جونہی حضرت مخدوم محل حجاب میں پہنچ کر سلام کہتے۔ بادشاہ فوراً تخت گاہ سے نیچے اتر کر کھڑا ہو جاتا۔ اور انتہائی انکسار و تواضع سے پیش آتا۔

تاریخ پاک و ہند کے صفحہ ۲۲۴ پر محمد عبداللہ ملک ایم۔ اے لکھتے ہیں کہ فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱ء تا ۱۳۸۸ء) کے صوفی بزرگ شیخ مخدوم جہانیاں سے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ شیخ مخدوم دہلی تشریف لاتے اور شاہی مہمان رہتے۔ فیروز شاہ تغلق بھی مخدوم جہانیاں کا عقیدت مند تھا اور دہلی میں آمد پر مخدوم کا شاہانہ استقبال کرتا تھا۔ حضرت مخدوم جہانیاں کے زمانہ میں آپ کے دادا حضرت جلال بخاری کی قائم کردہ درس گاہ خانقاہِ جلالیہ کو بے حد عروج حاصل ہوا۔ ہندوستان کی تاریخِ اولیا کا اگر مطالعہ کیا جائے یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتا ہے۔ کہ برصغیر میں تبلیغِ اسلام کی منظم تحریک خانقاہِ جلالیہ سے ہی شروع ہوتی ہے۔ اس درس گاہِ اسلامیہ سے فیض یافتہ بزرگ مبلغِ اسلام بن کر ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے۔

علومِ شریعت و طریقت میں حضرت مخدوم (جہانیاں) کا کوئی نظیر نہ تھا۔ حضرت کے ملفوظات کے جامع شیخ علاؤ الدین علی نے ان علوم کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ تمام علوم جو اس ملفوظ میں ظاہر ہیں وہ ذات ان سب علوم کی جامع تھی۔

حضرت مخدوم جہانیانِ جہاں گشت کے علم و فضل کے سلسلہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ "جامع است میان علم و ولایت" (اخبار الاخیار صفحہ ...)

تاریخِ فرشتہ جلد دوم (اردو ایڈیشن) صفحہ ۶۸۵ پر تحریر ہے کہ سید جلال الدین حسین جہانیاں بخاری عالم متبحر تھے اور علوم عقلی و نقلی میں آپ نے نہایت مشقت کھینچی تھی اور مقید اس امر کے نہ تھے کہ ایک شخص کے مُرید ہو کر دوسرے سے رجوع نہ کریں۔

نواب علی حسن خان بھوپالی نے اپنی کتاب "ماثرِ صدیقی" سوانح عمری نواب سید صدیق حسن خاں جلد اول صفحہ ۳۷ (نول کشور پریس لکھنؤ) میں لکھا ہے کہ آپ (مخدوم جہانیاں) علوم کتاب و سنّت کے جوہر فرد اور کمالاتِ باطنی کے معدنِ تہذیب اخلاق اور ملکاتِ روحانی کے سہیل یمن تھے۔

حضرت مخدوم جہانیاں فرماتے ہیں کہ یہ ممکن ہے کہ ایک آدمی ہوا میں اُڑے۔ پانی پر چلے۔ اس کے لئے آسمان اور زمین کی طنابیں کھینچ سکتی ہیں مگر اس وقت تک درجۂ ولایت پر فائز نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی رفتار و گفتار و کردار میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوشِ پا کی اتباع نہ کرے۔

مخدوم جہانیانِ جہاں گشت کی ولادت ۱۴ شعبان ۷۰۷ھ مطابق ۱۹ جنوری ۱۳۰۸ء بروز جمعرات اوچ میں ہوئی۔ (اخبار الاخیار صفحہ ۱۴۳۔ سفینۃ الاولیا صفحہ ۱۵۴۔ آئین اکبری جلد دوم صفحہ ۲۱۱) مولانا حفیظ الرحمٰن تحریر فرماتے ہیں کہ خانقاہ میں ایک مقام پر "خادمِ نبی" لکھا ہوا ہے جس سے ۷۰۷ھ برآمد ہوتا ہے اور یہی سالِ پیدائش ہے (تاریخ اوچ صفحہ ۱۰۵) مفتی غلام سرور صاحب لاہوری نے "خزینۃ الاصفیاء" میں خادم نبیؐ کو یوں نظم کیا ہے ؎

میر کامل ولی جلال الدین — قرۂ دیدۂ علیؑ آمد
سالِ تولید آں شہ مخدوم — از دلم خادم نبیؐ آمد

لوحِ مزار پر یہ شعر کندہ ہے جو تاریخ وفات کو ظاہر کرتا ہے۔

تاریک گشت جملہ جہاں بے جمال شاہ

تاریخ بود ہشصد وہشتاد و پنج سال

حضرت مخدوم جہانیانِ جہان گشت کی عمر اٹھتر (۷۸) سال ہوئی۔ تاریخ وفات ۱۰ ذی الحجہ ۷۸۵ھ مطابق ۳ فروری ۱۳۸۴ء ہے اور اپنے والدِ ماجد اور جدّ بزرگوار کے مزارات کے قریب دفن کئے گئے۔ یہ فیروز شاہ تغلق کا دورِ حکومت تھا۔

حضرت مخدوم جہانیاں کے جدِّ مادری (نانا) سید دولہ بن سید بدرالدین بھکری تھے۔ (انساب جلالی)

حضرت مخدوم جہانیاں کی اولاد کے بارے میں صاحب "انساب جلالی" تحریر کرتے ہیں کہ حضرت مخدوم جہانیانِ جہاں گشت کے تین صاحبزادے تھے۔ سید ناصرالدین محمود۔ سید عبداللہ اور سید جلال الدین کبیر ان تینوں کی والدہ الگ الگ تھیں۔ سید ناصرالدین محمود کی والدہ سید محمد بن سید جلال سرخ بخاری کی صاحبزادی تھیں۔ سید عبداللہ کی والدہ دہلی کے خاندانِ سادات سے تعلق رکھتی تھیں اور سید جلال الدین کبیر کی والدہ ترکی نژاد تھیں۔ ان کا وطنِ مالوف ترکی کا ایک شہر "رومیلی" تھا۔ جہاں حضرت مخدوم جہانیانِ جہاں گشت کے خاندان کے لوگ اب بھی آباد ہیں۔ سید عبداللہ بن مخدوم جہانیان جہاں گشت کا مزار دہلی میں قدم شریف کے قریب واقع ہے۔

مخدوم سید ناصرالدین محمود صاحب خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں کہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے فرزند سید ناصرالدین علومِ شریعت وطریقت، حقیقت و شرافت، سیادت و نجابت اور خوارق و کرامات کے جامع تھے، ولایت

میں بلند مقام پر فائز اور درجاتِ عالیہ کے مالک تھے۔ اگرچہ آپ کے والدِ ماجد کے جانشین سید صدر الدین راجو قتال تھے لیکن طالبانِ حق کے ارشاد و ہدایت کے لئے ان کا وجود بھی اللہ کی آیات میں سے ایک آیت تھا۔
مخدوم سید ناصر الدین محمود حضرت مخدوم جہانیاں کے بڑے بیٹے اور خلیفہ تھے اور علم و فضل اور ارشاد و ہدایت میں آپ بھی اپنے والد کے صحیح جانشین تھے۔
(خطہ پاک اوچ)

حضرت مخدوم سید ناصر الدین محمود بخاری سلطان محمد تغلق کے عہد میں اوچ سے روانہ ہو کر دہلی تشریف لائے اور کچھ عرصہ قیام فرمایا۔ آپ کے زہد و عبادت کی شہرت تمام شہر میں گونج اٹھی۔ اور بادشاہ کو بھی خبر ہوئی تو خود بادشاہ حضرت مخدوم کی قیام گاہ پر تشریف لائے۔ اور آپ کو اپنی حکومت میں ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز فرمایا۔ جس کا ذکر آئینِ اکبری میں موجود ہے۔ چند سال آپ نے دہلی میں قیام کیا اور اس کے بعد اپنے پوتے جامع الکمالات مخدوم سید عمر نوبہار کو اپنی جگہ مقرر فرما کر آپ اوچ تشریف لے گئے۔ اور وہاں پہنچ کر حالات کا جائزہ لیا جو رفتہ رفتہ خراب ہو رہے تھے۔ آپ نے ان تمام خرابیوں کو بحسن و خوبی دور کیا اور اپنی زندگی ہی میں مخدوم جلال بخاری کا سجادہ نشین مقرر فرمایا اور جاگیر کو "وقف" کر کے شرط عاید کر دی کہ آئندہ جو بھی اس درگاہ کا سجادہ نشین ہو گا وہ ان کی اولاد سے اور شیعہ (اثنائے عشری) عقائد کا حامل ہو گا اور ان کے نام پر اپنا نام سلطان ناصر الدین رکھنے کا پابند ہو گا۔ چنانچہ آج کل (۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۵ء) مخدوم سید غلام اصغر ناصر الدین سجادہ نشین ہیں۔

تاریخ اوچ کے صفحہ ۱۱۰ پر مولوی حفیظ الرحمٰن نے آپ کی تاریخ پیدائش ۲ ذیقعدہ ۷۴۴ھ / ۱۳۴۴ء اور تاریخِ وفات ۲۲ رمضان ۸۰۰ھ / ۱۳۹۸ء تحریر کی ہے۔ آپ کی

ولادت بادشاہ محمد تغلق کے دور میں ہوئی جس نے ۱۳۲۵ء سے ۱۳۵۱ء تک حکومت کی اور وفات ناصر الدین شاہ کا دورِ حکومت ختم ہونے کے بعد۔

"خطۂ پاک اوچ" میں ہے کہ سید ناصر الدین محمودؒ نے کئی شادیاں کیں ان کی پہلی شادی ملک حسین لانگاہ کی بیٹی سے ہوئی۔ جن کے بطن سے سید احمد کبیر متولد ہوئے۔ ایک شادی انھوں نے اپنی بنت عم سے کی یعنی سید محمد بن سید جلال سرخ بخاری کے فرزند سید شادن' کی دختر 'خوندا' سے سید حامد بن سید ناصر الدین محمود کے دو فرزند تھے۔ سید رکن الدین ابوالفتح اور سید بہاؤ الدین۔

خطۂ پاک اوچ کے مصنف لکھتے ہیں کہ سید ناصر الدین محمودؒ کی اولاد کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ آپ کے فرزندانِ گرامی کی تعداد ایک سو بیس ۱۲۰ تھی۔ اسی لیے آپ ناصر الدین کہلاتے تھے۔ ایک روایت یہ ہے کہ آپ کی اولادِ نرینہ کی تعداد ۲۵ تھی جن میں سے سات صاحبِ اولاد ہوئے "تاریخ اوچ" کے مصنف نے بھی آپ کی اولادِ نرینہ کی تعداد ۲۵ لکھی ہے۔ جن میں سے چودہ کو صاحبِ اولاد قرار دیا ہے۔ مگر "انسابِ جلالی" کی روایت یہ ہے کہ آپ کے فرزندانِ گرامی کی تعداد '۲۰' تھی جن میں سے پانچ کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔ باقی ۱۵ کے اسماء ملتے ہیں۔ آپ کی پانچ صاحبزادیاں بھی تھیں۔

محبی سید اظہر عباس صاحب کی مملوکہ کتاب میں تحریر ہے کہ آپ نے تین شادیاں کیں پہلی شادی بادشاہِ چین کی دختر سے جن کے پانچ بیٹے پیدا ہوئے اول سید شہاب الدین دوم سید احمد کبیر، سوئم سید علیم الدین، چہارم سید اسماعیل، پنجم سید فیض اللہ دوسری اہلیہ رحمت خاتون تھیں جن سے سید قطب برہان الدین اور سید علاؤ الدین پیدا ہوئے، تیسری بیوی سے دو صاحبزادے سید شرف الدین اور سید نظام الدین۔ ان کے علاوہ آپ کے اور

بھی اولاد تھی۔

مخدوم سید شہاب الدین بخاری آپ کا قیام اوچ میں رہا۔ آپ بہت عابد و زاہد تھے اور تبلیغ و امورِ دین میں مصروف رہتے تھے۔ آپ کا بیشتر وقت خانقاہِ جلالیہ میں طلبار کی تعلیم و تربیت پر صرف ہوتا تھا۔ آپ کے چار بیٹے تھے۔ سید عمر نو بہار، سید عبدالوہاب، سید صفی اللہ اور سید شعیب بخاری۔ جنہوں نے ہندوستان کے مختلف مقامات پر اپنے آبا واجداد کے مذہبی عقاید اور مسلک کی تبلیغ میں اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ آپ کا ذکر آئینِ اکبری جلد سوم کے صفحہ ۱۷۴ پر موجود ہے۔

مخدوم سید عمر نو بہار بخاری آپ دہلی کی حکومت میں ایک اعلیٰ منصب پر فائز تھے۔ کچھ عرصے کے بعد آپ نے اپنے بیٹے سید حامد نو بہار بخاری کو اپنی جگہ چھوڑا اور خود اپنے دوسرے بیٹوں کے ہمراہ بغرض تبلیغ دین دریائے گنگا اور جمنا کے درمیان جتنا پور میں سکونت اختیار کی جہاں اکثر کرامات آپ سے ظاہر ہوئے اور آپ کے زہد و عبادت کا چرچا سارے علاقہ میں ہونے لگا۔ اطراف کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور فیض و برکت حاصل کرتے اسی جگہ آپ نے وفات پائی۔ آپ کا مرقد اسی آبادی کے قریب ایک ٹیلے پر ہے۔ غالباً جتنا پور مظفر نگر کے ضلع میں واقع ہے۔ آپ کے تین صاحبزادے سید اسمٰعیل بخاری سید محمود بخاری اور سید رکن الدین بخاری اپنے والدِ ماجد کے ہمراہ رہے۔

سید حامد نو بہار بخاری آپ مخدوم سید عمر نو بہار کے بیٹے اور مخدوم سید شہاب الدین بخاری کے پوتے تھے۔ آپ کے والد چونکہ دارالحکومت دہلی میں ایک اعلیٰ منصب پر فائز تھے، آپ کی تعلیم و تربیت بھی دہلی میں ہوئی اور حصولِ علم کے بعد اپنے والدِ محترم کے منصب پر فائز ہوئے۔ ابوالفضل نے "آئینِ اکبری"

میں آپ کا ذکر کیا ہے۔ لیکن آپ کے حالات کہیں تفصیل سے نہیں ملتے اور جو کچھ حالات ملتے بھی ہیں وہ تاریخی اعتبار سے مستند نہیں ہیں۔ اس منزل پر میں ذہنی طور سے پریشان تھا کہ میرے ایک عزیز اور دیرینہ دوست سید اظہر عباس حسن بن سید یحییٰ احسن صاحب قبلہ مرحوم نے مجھے ایک کتاب دی جو بہت مختصر اور قلمی ہے اور اس کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ایک صدی سے بھی زیادہ عرصہ پہلے ان کے کسی بزرگ نے فارسی میں بہت خوش خط لکھی تھی۔ اور صرف اپنے خاندانی سلسلہ اور حالات تحریر کئے تھے۔ اس میں تاریخ اور سن نہیں ہیں اگر تاریخ اور مہینہ کہیں لکھا بھی ہے تو سن نہیں لکھا۔ بہر حال مجھے اس کتاب سے یہ معلوم ہوا کہ مخدوم سید حامد نوبہار دہلی سے بابر بادشاہ (۱۵۲۶ء تا ۱۵۳۰ء) کے ہمراہ چند اور لوگوں کے ساتھ بغرض سیر و شکار مابین کرت پور اور جلال آباد پہنچے تو حضرت مخدوم نے اس جگہ کو پسند فرمایا اور بادشاہ سے اس مقام پر اپنے مستقل قیام کی خواہش ظاہر کی چنانچہ بابر بادشاہ نے ایک کنواں جو پتھر کا بنا ہوا ہے اور ایک مسجد تعمیر کرا دی جو اب تک موجود ہے۔ کنویں میں اندر کی طرف ایک پتھر پر فارسی رسم الخط میں ایک تحریر بھی ہے جو پڑھی نہیں جا سکتی اس کے علاوہ بادشاہ کے حکم سے تمام جھاڑیاں اور جنگل صاف کر دیا گیا۔ مسجد کے قریب ایک املی کا درخت ہماری موجودگی تک برقرار تھا جس کے بارے میں یہ روایت ہے کہ یہ درخت اسی دور کی نشانی ہے! بابر بادشاہ نے اپنے ایک خاص شاہی فرمان کے ذریعہ آس پاس کے بہت سے دیہات اور تمام زرعی اراضی مخدوم سید حامد نوبہار بخاری کو عنایت فرما دی اور بادشاہ حضرت مخدوم کو یہاں چھوڑ کر دہلی واپس چلا گیا۔

تاریخی اعتبار سے یہ تحریر صحیح معلوم ہوتی ہے چونکہ مخدوم سید حامد نوبہار کی ولادت بابر بادشاہ کے ہندوستان پر پہلے حملے سے بھی کافی عرصہ قبل ہو چکی تھی۔

مخدوم حامد نوبہار اس نئی جگہ مقیم ہو گئے۔ اور دہلی سے اپنے اہل و عیال کو بلالیا۔ قریب ہی ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس کا نام ہیڑہ تھا۔ اس کی تمام آبادی بھی یہاں منتقل ہو گئی۔ اس بستی کے آثار قدیمہ ہم نے دیکھے ہیں کیونکہ ہماری زرعی زمین کا کچھ حصہ ان آثار کے قریب تھا۔ بہرحال اس نئی آبادی کا نام بنہیڑہ سادات رکھا گیا۔

بنہیڑہ سادات

جغرافیائی نکتہ نظر اور آب و ہوا کے اعتبار سے یہ علاقہ بہت زیادہ اہمیت کا حامل تھا اور تاریخی اعتبار سے بھی اہمیت رکھتا تھا اس پورے علاقہ میں خاندانِ مغلیہ کے دور میں، خاص طور پر "روہیلوں" کا زور تھا۔ اس علاقے کو جس میں ضلع بجنور، مراد آباد، بریلی، بدایوں، شاہ جہاں پور، ریاست رامپور اور نینی تال شامل تھے۔ روہیل کھنڈ کہا جانے لگا تھا۔ روہیلے دراصل پٹھان تھے۔ روہیلوں کو کچلنے کے لئے صفدر جنگ نے سلطنتِ مغلیہ کے آخری دور میں مرہٹوں سے ساز باز کی اور پٹھانوں کو خراج دینے پر مجبور کیا معاہدے کے بعد نواب نجیب خاں جو نواب علی محمد کا جرنیل تھا دربارِ مغلیہ سے ۱۷۵۵ء میں نجیب خاں نے امیر الدولہ اور نجیب الدولہ کا خطاب حاصل کیا اور بجنور سے شمال مشرق میں نجیب آباد بسایا اور روہیل کھنڈ کے علاقہ پر اپنی حکومت قائم کرلی۔ نجیب آباد اس کا دارالحکومت تھا جہاں اس نے ایک قلعہ بھی بنوایا جو شہر کی آبادی سے مشرق کی سمت تاریخی انقلاب کی ابھی تک گواہی دے رہا ہے۔ اور ریلوے لائن کے قریب واقع ہے۔ نجیب آباد کی آبادی میں اور بھی عمارتیں بنوائی تھیں جن میں انگریزوں نے سرکاری دفاتر قائم کردیئے تھے۔ نجیب الدولہ کا مقبرہ ریلوے اسٹیشن سے شہر کی طرف جانے والی سڑک پر عبرت کی داستان آنے جانے والوں کو سنا رہا ہے۔ مقبرہ کے قریب ہی ایک سرکاری اسکول تھا۔ جس میں راقم الحروف نے تعلیم

حاصل کی تھی اور جو آزادیٔ ہند کے بعد کالج بن گیا۔ ۱۸۰۱ء میں نواب شجاع الدولہ سے سارا روہیلکھنڈ کا علاقہ کمپنی بہادر نے چھین لیا۔ اور اس علاقہ کو بریلی کمشنری بنادیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف روہیلکھنڈ اور خصوصاً ضلع بجنور کے عوام نے مجاہدین کی طرح مدد کی مشہور جنرل بخت خاں اسی علاقے کا رہنے والا تھا۔ اس علاقے کی یہ بھی ایک تاریخی حیثیت ہے کہ پورے برصغیر میں اردو زبان کہیں بھی علاقائی زبان کا درجہ نہیں رکھتی تھی۔ لیکن محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ روہیلکھنڈ (بریلی کمشنری) کے شہروں اور دیہات میں جو زبان بولی جاتی ہے وہی "اردو" ہے۔ چنانچہ اس علاقے کے لوگ جو صاف اور شستہ زبان محفلوں میں بولتے تھے وہی اپنے گھروں میں بولتے تھے۔

بنہیڑہ کے قریب سے ایک سڑک گزرتی ہے جو نجیب آباد کو بجنور سے ملاتی ہے۔ یہ بہت کشادہ ہے اور اس کے دونوں طرف گھنے سایہ دار درخت ہیں۔ کرت پور کے قریب ایک چھوٹی سی آبادی ہے جس کو "بسی کوٹلہ" کہا جاتا ہے جو مغلیہ دور میں گورنر کا صدر مقام تھا۔ بنہیڑہ کے قریب تین ریلوے اسٹیشن ہیں۔ دو ریلوے اسٹیشن نجیب آباد اور معظم پور نرائن "لکھنؤ" اور "لاہور" کو ملانے والی ریلوے لائن پر ہیں۔ اور کرت پور کا ریلوے اسٹیشن معظم پور نرائن کو بجنور سے ملانے والی ریلوے لائن پر۔ بنہیڑے میں ڈاک خانہ بھی ہے جہاں سے روزانہ ڈاک آتی اور جاتی ہے۔

جنگ عظیم اول ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۹ء کے خاتمے کے بعد اس علاقے میں ایک مشہور و معروف ڈاکو جس کا نام "سلطانہ" تھا۔ ہر طرف دہشت گردی اور ڈاکہ زنی میں بہت مشہور ہوا۔ حکومت باوجود کوششوں کے ناکام ہوئی تو برطانیہ سے ایک ماہر بلایا گیا جس کا نام "ینگ" تھا۔ اور اسے انسپکٹر جنرل پولیس کا عہدہ تفویض کیا گیا۔

اس سلطانہ گردی میں ضلع بجنور کے دو اشخاص سید ابوالقاسم جن کو حکومت نے خان بہادر کا خطاب عطا کیا اور جو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے اور دوسرے ہمارے ایک بزرگ انسپکٹر آف پولیس سیّد سبطِ حسن صاحب مرحوم بہت مشہور ہوئے۔ سلطانہ ڈاکو بہت نڈر۔ بہادر اور ماہر تھا اور اس کے ساتھ ایک پورا گروہ تھا اور اعلان کرکے ڈاکہ ڈالتا تھا۔ کبھی یہ ایک مصنوعی جنازہ لے کر ڈاکہ ڈالنے جاتا اور کبھی بارات کی صورت میں۔ بھیس بدلنے میں اسقدر ماہر تھا کہ پولیس ہمیشہ دھوکا کھاجاتی تھی۔ سلطانہ کئی بار بھیس بدل کر ینگ صاحب سے بھی ملتا رہا۔ سلطانہ ایک نیک دل انسان تھا۔ غریبوں، یتیموں، اور بیواؤں کی بہت مدد کرتا تھا۔ یتیم لڑکیوں کی شادیوں کے لیے مکمل جہیز دیدیا کرتا تھا۔ اور ان کی شادیوں میں خود بھی شریک ہوتا تھا۔ سادات کا بھی بہت احترام کرتا تھا۔ نہٹورہ سادات کے قریب سے جب بھی گزرتا تو سادات کو سلام کہلا دیتا تھا اور اس کی یہی نیکیاں تھیں جو ہمیشہ اسے پولیس کے شکنجے سے بچا لیتی تھیں۔ پولیس نے ایک عورت کے ذریعہ اس کو دھوکہ دے کر گرفتار کرایا تھا عدالت سے اس کو پھانسی کا حکم ہوا۔ سلطانہ کے اکلوتے بیٹے کو انگریزوں نے تعلیم و تربیت کے لئے برطانیہ بھیج دیا۔ یہ ہمارے بچپن کا زمانہ تھا جو ہمیں خوب یاد ہے سلطانہ ڈاکو پر ڈرامے اور بعد میں کئی فلمیں بنائی گئیں۔ دو فلمیں انگریزی میں بھی بنائی گئیں۔ ایک انگریزی فلم "سلطانہ" ہم نے کراچی میں دیکھی ہے۔ جس میں سلطانہ کے کردار کو تبدیل کرکے انگریز حکومت کے خلاف بغاوت کا رنگ دیا گیا ہے۔ ہم نے وہ فلم دیکھی تو نجیب آباد کے ریلوے اسٹیشن کو دیکھ کر پرانی یادیں تازہ ہوگئیں اور

دل میں اک ہوک اٹھی آنکھوں میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے مجھے کیا جانئے کیا یاد آیا!

مخدوم سید حامد نوبہار کے بیٹوں نے بعد میں مستقل آبادی کی باقاعدہ منصوبہ بندی کی اور اس کے تحت قلعہ نما دروازے اور چہار دیواری بنوائی۔ تین دروازے تو ہم نے بھی دیکھے ہیں۔ جن میں ایک دروازہ محلہ منصب داران کے دربار کے قریب۔ دوسرا دروازہ محلہ پھولان میں داخلہ کے لیے امام باڑے اور اونچی مسجد کے درمیان اور تیسرا دروازہ محلہ سرداران میں داخلہ کے لیے سید شبیر حسن کے دربار کے نزدیک تھا۔ ان کے علاوہ دو دروازے اور بھی تھے جن کے نشانات باقی نہیں رہے تھے غالباً چوتھا دروازہ سید حسن پہلوان اور سید علی سجاد کے مکانات کے درمیان میں تھا اور پانچواں دروازہ محلہ منصب داران کی مسجد کے سامنے تھا۔ ان کے علاوہ چند چھوٹے دروازے تھے جن کو موری کہتے تھے۔ آج کل کی اصطلاح میں گلی کہہ سکتے ہیں۔ ایک گلی ہمارے مکان اور سید یوسف حسین صاحب کے درمیان تھی دوسری گلی سید زاہد حسین اور سید مرتضیٰ حسین کے مکان کے درمیان تھی۔ تمام دروازے اور گلیاں رات کو بند کر دی جاتی تھیں برادری کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی اس احاطہ کے اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ رفتہ رفتہ جب سادات کی آبادی میں اضافہ ہونے لگا تو محلہ پھولان کے لوگوں نے احاطے سے باہر مکانات بنانا شروع کر دیے۔ چوک والے کنویں اور مسجد کے قریب سادات کے کافی مکان ہو گئے اور رفتہ رفتہ پورا ایک محلہ بن گیا۔ جس کو غالباً "تہائی داران" کہنے لگے۔ سید شبیر حسن کے دربار سے لے کر ہمارے مکان کی پشت والی گلی کے سامنے ایک میدان چھوڑ دیا گیا تھا جس کو "چوک" کہتے تھے اس چوک میں اونچی مسجد کے قریب ایک کنواں تھا جس کو چوک والا کنواں کہتے تھے۔ یہ میدان بنہیڑہ سادات کی آبادی کے عین وسط میں تھا۔ اور یہاں بدھ کے دن بازار لگتا تھا۔ جس میں ہر قسم کی دکانیں سجائی جاتی تھیں۔

آس پاس کے گاؤں کے دکاندار بھی گھوڑوں، خچروں اور گدھوں پر لاد کر سامان لاتے اور اپنی اپنی دکانیں لگاتے تھے۔ مقامی اور آس پاس کے دیہات کے لوگ بدھ کے دن اس بازار سے جس کو "بینٹھ" کہا جاتا تھا ضروریات کی تمام اشیاء خرید لیتے تھے۔ اس میدان کا نام چوک اس لئے پڑ گیا تھا کہ چاروں طرف کے دیہات سے آنے والی سڑکیں اسی چوک سے گزرتی تھیں۔ آبادی میں ایک مستقل بازار بھی تھا جس میں مختلف اشیاء کی دوکانیں تھیں۔ خاص طور پر زرگر (سنار) حلوائی (مٹھائی فروش) درزی اور بھڑ بوجے۔ یہ مستقل بازار سادات کی آبادی کے بالمقابل سیدھی اور چوڑی گلی میں تھا۔ سال کے دوران دو میلے بھی ہوتے تھے جن میں دور دور تک کے دیہات والے شریک ہوتے تھے۔ اور کئی کئی دن تک بستی میں رونق رہتی تھی۔ سادات اور درمیانی میدان (چوک) کے چاروں طرف کی آبادی رعایا پر مشتمل تھی۔ جس میں ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کے لوگ آباد تھے۔ اور دونوں کی آبادی تقریباً برابر تھی۔ ہندو صرف ہولی اور دیوالی کے تہوار مناسکتے تھے۔ ان کا بستی میں یا آس پاس کوئی مندر نہیں تھا۔ یہاں قوال، بھنڈیلے، شادی اور دوسرے مواقع پر بینڈ بجانے والے نائی، قصائی، جولاہے تقریباً تمام پیشوں کے لوگ آباد تھے۔ اور تمام ضروریات یہاں پوری ہو جاتی تھیں۔ مسلمانوں کی کئی مساجد تھیں اور چار امام باڑے تھے۔ محرم اور چہلم کے جلوس منصب داروں کے دربار سے شروع ہوتے تھے۔ اور چوک سے گزر کر سید شبر حسن کے دربار سے ہوتے ہوئے میاں صاحب کے مزار کے قریب تالاب کے کنارے "تازیے" ٹھنڈے کیے جاتے تھے، ایام عزا میں مسلسل زنانی اور مردانی مجالس ہوتی رہتی تھیں۔ لیکن شہدائے کربلا کا چہلم خاص طور پر اہتمام سے منایا جاتا تھا اور بڑے بڑے علماء اور ذاکرین مجالس

پڑھنے آتے تھے ۔ اور ان مجالس میں شرکت کے لئے دور دور کے لوگ آتے ۔ صبح کے وقت پھلوں کے امام باڑے میں مجلس ہوتی تھی۔

ایک اور امام باڑے میں اور رات کو منصب داروں کے دربار میں۔ ان کے علاوہ بھی مجالس ہوتی رہتی تھیں۔ زنانی مجالس بھی بہت اہتمام سے مختلف مقامات پر ہوتی تھیں۔

نہیڑہ سادات میں بڑے بڑے مجتہدین۔ علماء۔ ذاکرین۔ تحت اللفظ خواں، اور مرثیہ گو شعراء تشریف لاتے تھے مثلاً ناصر الملت سید ناصر حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر۔ نجم الملت سید نجم الحسن صاحب قبلہ مجتہد العصر۔ مولانا سبط حسن صاحب قبلہ لکھنوی۔ مولانا علی الحائری صاحب۔ مولانا سید ابن حسن صاحب نو نہروی۔ مولانا سید ابن حسن صاحب جارچوی۔ مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ مجتہد لکھنوی۔ مولانا سید اکبر مہدی صاحب قبلہ سلیم جرولی۔ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ سہوارہ ضلع بجنور کے سید شادمان علی شاد صاحب ایک بے نظیر اور اعلیٰ پائے کے مرثیہ گو شاعر تھے، اور تحت اللفظ میں اپنے مراثی خود پڑھتے تھے۔ اپنے آپ کو شمیم امروہوی کے خاندان کا بتاتے تھے۔ کئی سال نہیڑہ میں مستقل قیام کیا اس کے بعد سہوارہ چلے گئے۔ وہاں جا کر انتقال ہو گیا۔ ان کے اہل و عیال شیعہ نہیں تھے۔ ان کا کلام غالباً ضائع ہو گیا۔ مرحوم نہیڑہ کے سامعین کی نکتہ سنجی اور شعر فہمی کے بہت مداح تھے۔ ہماری برادری میں بھی بہترین ذاکر، تحت اللفظ خواں اور سوز خواں پیدا ہوتے رہے۔ ہمارے زمانے میں سید یوسف حسین اور ان کے بیٹے سید یعقوب حسین باکمال سوز خواں تھے ان کے علاوہ سید انصار حسین بن سید کاظم حسین اور سید غلام رسول بھی اپنے فن میں کامل اور اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ اسی طرح تحت اللفظ مرثیہ پڑھنے میں سید اظہار حسین بن سید ہدایت حسین اپنا جواب آپ تھے۔ انیس و دبیر کا دور نظروں کے سامنے

پھر جاتا تھا۔ وطن کی وجہ سے نہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہم نے لکھنؤ اور دوسرے متعدد شہروں میں مجالس سنی ہیں لیکن وہ لطف نہیں آیا۔

عیدالفطر کی نماز ادا کرنے کے بعد خاص طور پر یہ تنگ حضرات ایسے اپنے بزرگوں کی قبور پر فاتحہ خوانی کے لئے اپنے اپنے خاندانی قبرستان جاتے فاتحہ خوانی کرتے اور وہاں سے واپسی پر ان گھروں میں جاتے جہاں گزشتہ سال کے دوران اموات ہوئی ہوں۔ پسماندگان کو پرسہ دیتے بچوں کے سروں پر شفقت کا ہاتھ پھیرتے اور فاتحہ خوانی کرتے تھے اور اس کے بعد اپنے گھروں کو جاتے تھے۔

شادی بیاہ کی رسومات بھی عجیب وغریب ہوتی تھیں۔ بعض رسمیں دلچسپ تھیں۔ کچھ رسمیں قابلِ قدر بھی تھیں۔ دولہا گھوڑے یا ہاتھی پر سوار ہو کر باراتیوں کے ہمراہ مجنوں شاہ کے قبرستان جاتا تھا اور اپنے بزرگوں خاص طور پر مورثِ اعلیٰ مخدوم سید حامد فاضل بخاری کے مزار پر سب لوگوں کے ہمراہ فاتحہ خوانی کرتا تھا۔ لیکن ایک رسم خاص طور پر مجھے بہت پسند تھی کہ عقد سے پیشتر بستی کی شیخ برادری کا ایک فرد دولہا کا شجرۂ نسب پڑھتا تھا اس کے الفاظ ہوتے تھے۔ "فلاں کا پوتا اور فلاں پوتا" اور شجرۂ نسب کا مکمل سلسلہ زبانی یاد تھا۔ جس شخص کو ہم نے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اس کو اتنی وسیع برادری کے سلسلے یاد تھے۔ اگر برادری میں کسی کو اپنے یا کسی دوسرے سلسلے کی کسی کڑی کے بارے میں معلومات کرنا ہوتی تھیں تو اسی شیخ سے کی جاسکتی تھی۔ اس لئے کہ پوری برادری کا اصل مکمل شجرہ نسب صرف ایک تھا جو سید احسان حسین صاحب کے بھتیجے سید محمد امیر کی تحویل میں تھا۔ اور وہ ذاتی وجود کی بنا پر کسی کو نہیں دکھاتے تھے۔ اس شجرہ کے ساتھ بادشاہوں کے اصل فرمان یا ان کی نقول تھیں۔ اور یہ شجرہ بغیر بڑے

کی آبادی نے بھی پیشہ لکھنا شروع ہوا تھا۔ باقی شجرے اس کی نقل تھے
چند سال پہلے سید مرتضیٰ حسن کے صاحبزادے نے مکمل شجرہ ایک بڑے کاغذ
پر چھپوایا تھا۔ پاکستان میں آنے والوں کے لئے یہ ان کا کارنامہ ہے اور
اس سلسلے میں ان کی کاوشیں قابلِ تحسین ہیں۔ خدا ان کو خوش رکھے آمین۔

مجھے شادی کے موقع پر شجرہ پڑھنے کی افادیت کا پہلے سے احساس تھا۔
میرا خیال تھا کہ یہ رسم صرف بنہیڑے کی سادات تک محدود ہے لیکن اوچ شریف
میں مجھے معلوم ہوا کہ یہ رسم وہاں بھی ہے اور اس کو خصوصی درجہ حاصل ہے۔ نکاح
سے قبل شجرۂ نسب پڑھنے کی یہ رسم بخاری سادات میں اکثر جگہوں پر جاری ہے۔

قصبے میں ایک برہمن خاندان بھی آباد تھا ان میں اکثر لوگ فارسی اور
اردو داں ہوتے تھے۔ ان میں دید اور حکیم بھی تھے اس خاندان کے ایک حکیم کو ہم نے
دیکھا ہے۔ بہت خلیق اور شستہ اردو بولتے تھے جب وہ چوک سے گزر کر
سادات کی آبادی کے قریب آتے تو ایک مخصوص انداز میں اپنا داہنا ہاتھ پیشانی
پر رکھ لیتے اور سر نیچا کئے سادات کی آبادی میں مسلسل "آداب عرض" کہتے ہوئے
داخل ہوتے تھے۔ کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ سامنے کوئی نہیں ہے لیکن حکیم صاحب
کا ہاتھ پیشانی پر رکھا ہے۔ جب ان سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو جواب
دیا کہ میر صاحب میں آپ کی آبادی اور آپ کے بزرگوں کی ارواح کو سلام
کرتا ہوں چونکہ ان کے احسانات ہم پر اور ہمارے بزرگوں پر بہت ہیں۔ حکیم
صاحب اپنی نگاہیں ہمیشہ نیچی رکھتے تھے۔ اسی سبب سے سادات کی خواتین
حکیم صاحب سے بہت کم پردہ کرتی تھیں۔ اور میر صاحبان بھی حکیم صاحب کا
بہت احترام کرتے تھے۔ ان حکیم صاحب کا نام کنھیا لال تھا۔ ان کے علاوہ
سادات میں بھی بہت سے حاذق حکیم گزرے ہیں۔ تین حکماء کو ہم نے بھی دیکھا

ہے۔ ان حضرات کے اسمائے گرامی تھے۔ حکیم سید مبارک حسین صاحب حکیم سید زمرد حسین صاحب۔ اور حکیم سید غلام حیدر کرار صاحب۔ تینوں بہت کامل اور حاذق طبیب تھے۔ اس زمانے میں طبابت و حکمت آج کل کی طرح روپیہ کمانے کا ذریعہ نہیں تھا۔ بلکہ تمام اطباء رئیس اور بڑے بڑے زمیندار ہوتے تھے۔ اور ان کا مطمع نظر صرف خدمتِ خلق ہوتا تھا۔

بنہیڑہ سادات میں جہاں بزرگوں نے ہر فن اور پیشے کے لوگوں کو جمع کیا تھا وہاں قوال اور بھانڈ بھی آباد کئے تھے۔ بھانڈ کو قصبے کی زبان میں "بھنڈیلے" کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ اپنے فن میں کامل اور دُور دُور مشہور تھے۔ آس پاس کے تمام رؤسا اور خاص طور پر ریاست رام پور کے نواب صاحب کی طرف سے ہر تقریب میں ان کو بلایا جاتا تھا۔ سادات کی تمام تقریبات اور شادیوں میں بلایا جاتا تھا۔ رات بھر گا ناساتے اور دلچسپ نقلیں دکھاتے اور اپنے مقررہ حق سے زیادہ روپیہ کمائے جاتے تھے، ان کے بارے میں عجیب عجیب اور دلچسپ قصے مشہور ہیں۔

شادیوں اور دوسری تقریبات میں کھانا نائی پکاتا تھا۔ اس کے علاوہ ہر تقریب یا مجالس کا اعلان بھی نائی یا ان کی مستورات کرتی تھیں۔ نائی۔ سقہ۔ دھوبی اور بھنگی اور اس قسم کے پیشہ ور لوگوں کو ہر فصل پر اناج دیا جاتا تھا۔ لیکن شادی اور دوسری چھوٹی بڑی تقریبات میں ان کے حقوق مقرر تھے۔ جو رقم کی صورت میں دیئے جاتے تھے۔ محلہ کی مسجد میں بہشتی (سقہ) پانی دیتا تھا اور فصل پر اس کو اناج دیا جاتا تھا۔ ہمارے پاکستان آنے کے کافی عرصہ بعد تک اونچی مسجد میں ہمارا خاندانی سقہ روزانہ ایک مشک پانی دیتا رہا اور ہمارے بھائی محب حسنین صاحب مرحوم ہماری طرف سے ہر فصل پر اس کو اناج دیتے رہے۔

شاہانِ مغلیہ نے سادات بنہیڑہ کو جاگیریں عنایت کی تھیں رفتہ رفتہ جب وہ تقسیم ہونے لگیں تو مالکان کو وہاں کے انتظامی اُمور میں بہت دشواریاں پیش آئیں۔ اور انھوں نے قریب ہی آباد ہونا مناسب سمجھا اور سادات کے کچھ گھرانے بنہیڑے سے منتقل ہو گئے۔ اور اپنی جائیداد کے قریب سکونت اختیار کر لی۔ چنانچہ بنہیڑے سے شمال مشرق کی طرف تقریباً دس میل کے فاصلے پر چند خاندان رمپوری اور جوگی پورے میں آباد ہوئے۔ یہ دونوں بستیاں نجیب آباد سے تین میل کے فاصلے پر مشرق کی سمت واقع ہیں۔ کچھ خانداں بجنور کے پاس دیہات میں آباد ہوئے جن میں پیدا اور بخارا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بخارا تو اب بجنور کا محلہ بن گیا ہے نقل مکانی کے باوجود رشتہ داریاں اور تعلقات برابر قائم ہیں۔ اور افادیت میں آج تک فرق نہیں آیا۔ ان تمام بستیوں میں جوگی پورا بہت زیادہ مشہور رہا۔ کہتے ہیں کہ مغل بادشاہ شاہجہاں کے دور میں یہاں کے ایک بزرگ سید راجو دہلی میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے! اور بادشاہ ان کی بہت قدر و منزلت کرتا تھا۔ شاہجہاں کے بعد جب اورنگ زیب تخت نشین ہوا تو اس کے ساتھ سید راجو کے تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ سید راجو اپنے وطن جوگی پورہ واپس آگئے اور یہاں عبادت الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ اور حضرت علیؑ کو یاد کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک دن آپ کو بستی کے ایک ہندو نے اطلاع دی کہ آپ کو جنگل میں کوئی صاحب بُلا رہے ہیں۔ جو ایک گھوڑے پر سوار ہیں۔ سید راجو کو خیال آیا کہ اورنگ زیب کا کوئی آدمی نہ ہو۔ بہر حال سید صاحب روانہ ہوئے ان کے پیچھے پیچھے کچھ عزیز و اقارب بھی ساتھ ہو لئے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو کوئی نہ تھا صرف گھوڑے کے پیروں کے نشانات تھے۔ وہاں سے واپس آکر آپ لیٹ گئے اور نیند آگئی۔ خواب میں

دیکھا کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام گھوڑے پر سوار ہیں اور فرما رہے ہیں کہ تم تنہا نہیں آئے۔ اسی لئے ہم نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ سید راجو نے اسی جگہ جہاں گھوڑے کے سموں کے نشانات تھے درگاہ تعمیر کرا دی جہاں ہر سال محرم اور رمضان میں مجالس ہوتی ہیں اور تمام ہندوستان سے شیعہ، سنی اور ہندو کثیر تعداد میں جمع ہوتے ہیں۔ ہم نے خود یہاں کئی معجزات دیکھے ہیں۔ دہڑ دون کے کئی ہندو بنئے جن سے ہم واقف تھے یہاں آتے رہتے۔ اس درسگاہ کا نام نجف الہند جوگی پورہ مشہور ہو گیا ہے۔

سید راجو کی نسل کے ایک صاحب سید احفاظ الحسن نقوی نے جو ہمارے دوست بھی تھے ایک کتاب لکھی ہے جس میں سید راجو کے حالات تحریر ہیں۔ اس کتاب کا نام "معجز نما" ہے اور نظامی پریس لکھنؤ میں چھپی ہے۔ موصوف نے یہ کتاب ہمارے بیٹے طاہر رضا نقوی کو جوگی پورہ میں عنایت فرمائی تھی۔

اب بھی جب وہ خلوص وہ محبت وہ دور اور وہ زمانہ یاد آتا ہے تو دل کی عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ پاکستانی نسلیں ان جذبات اور حالات کی قدر کیا جانیں۔ اب وہ باتیں خواب و خیال ہو گئیں۔ وقت نے کروٹ بدلی۔ انقلاب آیا اور مسلمانوں خصوصاً سادات کا وہ عزت و وقار ختم ہو گیا۔ اور اب گزشتہ دور کی یاد میں لکیر پیٹ رہے ہیں اور ماضی کا تصور کر کے آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔ پوری برادری تتر بتر ہو گئی۔ کچھ ہندوستان میں رہ گئے کچھ پاکستان میں آکر تہہ و بالا ہو گئے۔ بخاری سادات کے افراد اوچ شریف سے گئے تھے۔ اور کئی صدیوں کے بعد پھر اپنے مرکز کے گرد لوٹ آئے۔

مخدوم سید حامد نوبہار بخاری کو کچھ عرصے کے بعد بابر بادشاہ نے دارالحکومت واپس بلا لیا۔ چنانچہ مخدوم سید حامد نوبہار دہلی واپس تشریف لے گئے۔

اور ہمایوں بادشاہ کے عہد حکومت (۳۰ر دسمبر ۱۵۳۰ء تا ۲۷ر جنوری ۱۵۵۶ء) تک وہیں مقیم رہے۔ بابر اور ہمایوں چونکہ شیعہ مذہب کے پیرو تھے اس وجہ سے بھی آپ کے ساتھ ان دونوں کے خصوصی مراسم تھے حضرت مخدوم دارالسلطنت دہلی میں اپنے زہد و عبادت اور علوم ظاہری و باطنی میں شہرت رکھتے تھے اس لئے عوام بھی آپ کا بہت ادب واحترام کرتے تھے۔ حضرت مخدوم سید حامد نوبہار بخاری ہمایوں بادشاہ کی وفات (۲۷ر جنوری سنہ ۱۵۵۶ء) تک دہلی میں مقیم رہے اور اکبر اعظم کے تخت نشین ہونے کے بعد بنہیڑہ سادات تشریف لے آئے۔ جہاں کچھ عرصہ کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور آپ کی میت کو "حستناپور" لے جا کر آپ کے والد محترم مخدوم سید عمر نوبہار کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

سید بڈھن عرف بڑے بن سید حامد نوبہار بخاری اپنے والد محترم کے قائم مقام اور تبلیغ دین میں مشغول رہے۔ آپ عابد و زاہد تھے۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کی میت کو بھی لے جا کر آپ کے والد کے قریب دفن کیا گیا۔ آپ کے ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیدا ہوئے۔

سید جیون بخاری بن سید بڈھن بخاری۔ آپ بہت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ہر وقت عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے۔ آپ کے ایک بیٹا سید حامد فاضل بخاری اور دوسرا بیٹا سید رکن الدین پیدا ہوئے۔

سید حامد نوبہار بخاری۔ سید بڈھن بخاری اور سید جیون بخاری کی میتیں حستناپور لے جا کر حضرت مخدوم سید عمر نوبہار کے قریب دفن کی گئیں

سید حامد فاضل بخاری بن سید جیون بخاری۔ آپ دینی علوم میں اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ اور دنیوی علوم میں بھی آپ کا درجہ بہت بلند تھا۔ آپ کا قیام دارالحکومت دہلی میں رہتا تھا۔ جلال الدین محمد اکبر آپ کے خاندانی درجات

اور علم وفضل سے واقف تھا۔ اس نے بھی علم ظاہری اور باطنی آپ سے حاصل کئے۔ اکبر بادشاہ خود بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ اکبر بادشاہ ۱۴ چودہ سال کی عمر میں ۱۴ فروری ۱۵۵۶ء / ۹۶۲ھ کو تخت نشین ہوا اور ۲۶ اکتوبر ۱۶۰۵ء / ۱۰۱۴ھ کو راہیٔ ملکِ عدم ہوا۔ اکبر بادشاہ نے سید حامد فاضل بخاری کو "منصب دو ہزاری" پر فائز فرمایا تھا۔ شاہی دور میں یہ منصب بہت اہمیت رکھتا تھا۔ "آئینِ اکبری" جلد اوّل میں آپ کا تذکرہ موجود ہے۔ علم وفضل کی وجہ سے آپ کا لقب فاضل مشہور ہو گیا تھا۔

عزیزی سید اظہر عباس صاحب کی مملوکہ کتاب میں تحریر ہے کہ اکبر اعظم نے مخدوم سید حامد فاضل بخاری کو بیس ۲۰ ہزار بگہ اراضی بجنور اور نجیب آباد کے گرد و نواح میں اپنی مہر خاص لگا کر عنایت فرما دی تھی۔ آپ نے اس کا کچھ حصہ فقراء ومساکین میں تقسیم کر دیا اور باقی اپنی اولاد کو عطا فرمایا۔ یہ اصل حکم نامہ اور دوسری اسی قسم کی دستاویزات کے بارے میں ہم نے سنا ہے کہ اصل شجرۂ نسب میں چسپاں تھیں یہ ایک نادر اور تاریخی اہمیت کی حامل دستاویز تھی۔ اللہ کرے کہ یہ اب تک سید محمد امیر صاحب کے خاندان میں محفوظ ہو۔

چونکہ عام لوگوں کے اجتماع سے آپ کے اوقاتِ عبادت میں خلل پڑتا تھا۔ لہٰذا آپ بنہیڑہ سادات واپس تشریف لے آئے اور کچھ عرصہ بعد اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو پتھر والے کنوئیں اور مسجد کے قریب دفن کیا گیا بعد میں یہ قبرستان بن گیا اور مجنوں شاہ کا قبرستان کہلانے لگا اور یہی ہمارا خاندانی قبرستان تھا۔

مخدوم حامد فاضل بخاری نے دو شادیاں کی تھیں پہلی اہلیہ سے سید مبارک بخاری پیدا ہوئے اور دوسری بیوی سے چار بیٹے، سید محمد، سید جیون، سید جلال

اور سید بہاؤالدین پیدا ہوئے۔ سید محمد اور سید بہاؤالدین نے شادی نہیں کی اور لاولد انتقال کر گئے۔

مخدوم سید مبارک بخاری بن سید حامد فاضل بخاری کے دو بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی بیٹوں کے نام سید میران بخاری اور سید عمر بخاری تھے اور بیٹی کا نام سیدہ زہرا خاتون رکھا گیا۔ آپ کے دونوں بیٹے علم و فضل میں مشہور تھے۔ اظہر عباس صاحب کی مملوکہ کتاب میں مخدوم سید حامد فاضل بخاری کے انتقال یا مزار کی جگہ کے بارے میں کچھ تذکرہ نہیں ملتا۔ لیکن آپ کے فرزند سید مبارک بخاری کے تذکرے میں لکھا ہے کہ آپ کا مرقد مبارک بنہیڑہ میں ایک روضہ کے اندر ہے اور قبر کے دونوں طرف دو بھائیوں سید محمد اور سید جیون کی قبریں ہیں۔ میرے خیال میں مصنف سہواً حامد فاضل کے بجائے سید مبارک کا نام لکھ گئے۔ یہ یقین اس لئے بھی پختہ ہو جاتا ہے کہ ہمارے بزرگوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ یہ مزار سید حامد کا ہے اور اس نام کے دو بزرگ گزرے ہیں۔ ایک سید حامد نوبہار بن عمر نوبہار اور دوسرے سید حامد فاضل بن سید جیون بخاری۔ لہذا ہمارا پختہ یقین ہے کہ بنہیڑہ سادات کا یہ مزار سید حامد فاضل بخاری کا ہے اور آپ کی قبر کے دونوں طرف آپ کے بیٹوں سید محمد اور سید جیون کی قبریں ہیں۔

بزرگوں کی روایت کے مطابق یہ مزار بہت عالیشان تھا۔ ہم نے یہ عمارت منہدم دیکھی تھی۔ جس کو غالباً ۱۹۳۶ء میں ہمارے والد صاحب قبلہ اور سید سبط حسن صاحب کی کوشش کے نتیجے میں ان ہی لکھوری اینٹوں سے دوبارہ تعمیر کرا دیا گیا تھا۔ جو سنا ہے ابھی تک باقی ہے اور مزار کے قریب وہ تاریخی مسجد اور کنواں بھی ابھی تک موجود ہے۔ جو بابر بادشاہ نے بنوائے تھے۔

آبادی کے باہر عیدگاہ کے قریب شاہ علم الدین میاں صاحب بن سید فتح محمد کا

مزار ہے۔ میاں صاحب مرحوم کا شمار اس دور کے مشہور روحانی بزرگوں میں ہوتا تھا۔ نواب نجیب الدولہ جو اس زمانے میں روہیلکھنڈ کا حکمراں تھا آپ سے بہت عقیدت رکھتا تھا اور اکثر ملاقات کے لئے حاضر ہوتا تھا۔ میاں صاحبؒ نے ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی۔ جس کو میاں صاحب کی مسجد کہا جاتا ہے جہاں آپ اپنے مریدوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے۔ آپ کا وصال سنہ ۱۲۲۸ھ میں ہوا اور کسی نے تاریخ وفات کہی۔ "شد نہاں آفتاب زیر زمیں" میاں صاحب کی نسل میں ایک بزرگ سید وزیر الدین حسن نے کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں حرز المومنین، سراج غم اور صحیفۃ الشہداء اب بھی کتب خانوں میں دستیاب ہیں۔

بنہیڑہ سادات میں سادات کے تین محلے تھے۔ سید جیون اور سید جلال بن سید حامد فاضل بخاری کی اولاد محلہ نصب داران میں رہتی تھی۔ سید عمر بن سید مبارک بن سید حامد فاضل بخاری کی اولاد محلہ سرداران میں اور سید میران بن سید مبارک بن سید حامد فاضل بخاری کی اولاد محلہ پھولان میں آباد تھی۔ چوتھا محلہ جو نہائی داران کے نام سے مشہور ہے بعد میں احاطہ کے باہر آباد ہوا جس میں محلہ پھولان ہی کے کچھ خاندان رہتے تھے۔

مراجعت

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ملک تقسیم ہوا اور پاکستان بن گیا۔ ہماری برادری کے متعدد خاندان تو پہلے ہی پاکستان کے علاقے میں موجود تھے، کچھ خاندان ملازمت وغیرہ کے سلسلہ میں پاکستان منتقل ہو گئے اور باقی نہیٹرہ میں رہ گئے۔ ہم دہرہ دون چھوڑ کر نہیٹرہ ہوتے ہوئے پاکستان منتقل ہو گئے اور یہاں گردش روزگار کی ٹھوکریں کھاتے ہوئے ۱۹۷۷ء کے موسم گرما میں اپنے بیٹے طاہر نقوی اور اپنی شریک حیات محب خاتون کے ہمراہ بزرگوں کے مزارات پر حاضری دینے کے اشتیاق میں اوچ شریف پہنچے۔ بس کے اڈے سے ایک صاحب کی رہنمائی میں ہم گلیوں سے گزرے تو ہمارے ذہن میں یہاں کی آبادی کا جو تصور تھا وہ ختم ہو گیا کیونکہ موجودہ آبادی ایک بڑے گاؤں یا قصبہ کی حیثیت رکھتی ہے اس آبادی کا ماضی بہت شاندار گزرا ہے۔ ملتان کے بعد اس پورے علاقے میں اوچ ہی مرکزی حیثیت کا حامل تھا۔ بہرحال اوچ کا ماضی اور حال ہمارے سامنے تھا۔ کبھی یہ قصبہ اسلامی تعلیمات کا مرکز تھا۔ برصغیر میں اسلامی تعلیمات کا پہلا دارالعلوم یہاں قائم ہوا۔ ان ہی خیالات کو لئے ہوئے ہم مزارات کے قریب پہنچے تو ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ یہ یہاں کا خادم ہے ہم نے اس سے اپنا تعارف کرایا۔ ہم لوگ اس کی رہبری میں مزارات کی طرف روانہ ہوئے۔

جب ہم لوگ مزارات پر فاتحہ خوانی کرتے ہوئے مخدوم سید ناصر الدین محمود

کے مزار پر پہنچے تو مجاور نے ہمارے چہروں کو غور سے دیکھا اور کہنے لگا کہ یہ مزار ناصرالدین محمود کا ہے جن کے پوتے دہلی میں رہ گئے تھے اور آپ ان ہی کی نسل سے ہیں۔ میں نے اقرار کیا کہ تم نے صحیح کہا۔ اور میرے ذہن میں تاریخ اپنے آپ کو دہرانے لگی اور مجھے یاد آیا کہ تقریباً چھ سو سال پہلے یہی وہ بزرگ تھے جو اپنے پوتے مخدوم سید عمر نوبہار کو دہلی میں چھوڑ کر خود اوچ واپس چلے آئے تھے۔ اور وہ بھی کچھ عرصہ کے بعد اپنے فرزند مخدوم سید حامد نوبہار کو اپنا نمائندہ بنا کر دہلی سے تشریف لے گئے۔ بعد میں مخدوم سید حامد نوبہار نے بنہیڑہ کی بنیاد رکھی اور اپنی اولاد کو آباد کر دیا۔ اس وقت میری عجیب کیفیت تھی۔ دل بے اختیار چاہا کہ مخدوم ناصرالدین محمود کے مزار پر چلا چلا کر کہوں کہ آپ اپنے جس پوتے کو دہلی میں چھوڑ کر خود اوچ تشریف لے آئے تھے۔ چھ سو سال کے بعد آپ کی اسی انیسویں اور بیسویں نسل کے دو فرزند پھر آ گئے ہیں زمانے کی ٹھوکریں کھا کر۔ اور آئندہ کے لئے احکامات کے منتظر ہیں دل کی رفتار تیز تر ہو رہی تھی۔ تاریخ کا دھارا نہ معلوم کہاں لے جا رہا تھا۔

اوچ بخاری کے مزارات

بی بی جیوندی اور حضرت بہاول حلیم کے مزارات کی عمارتیں بہت خوبصورت ہیں لیکن دریا کی لہروں نے دونوں کا نصف حصہ مسمار کر دیا ہے باقی حصہ ابھی تک قائم ہے۔ بی بی جیوندی بہت نیک اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ ان کی وفات ۸۰۵ھ میں ہوئی مقبرے کی عمارت ۹۰۰ھ / ۱۴۹۴ء میں خراسان کے

بادشاہ محمد وشاد نے تعمیر کرائی تھی۔ حضرت بہاؤ الدین علم جہانیاں جہاں گشت کے استاد تھے۔

حضرت مخدوم سید ناصر الدین محمود بن مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی اہلیہ بی بی تگمنی جو ملتان کے سلطان حسین لنگاہ کی بیٹی تھیں ان کا مزار بھی اب شکستہ ہو چکا ہے اور مخدوم سید راجو قتال کی خانقاہ کے مغربی جانب اوراوچ کے شمال میں واقع ہے۔ اس مزار میں صرف خواتین کو داخلے کی اجازت ہے۔ اس مزار کے قریب سید فضل اللہ بن سید ناصر الدین محمود کا مزار ہے۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا مزار ایک بڑے اور وسیع کمرے میں ہے۔ اس مزار کے بائیں جانب پہلو میں ان کے فرزند حضرت مخدوم سید ناصر الدین محمود کی قبر ہے اور حضرت جہانیاں کے پائیں آپ کے استاد قاضی بہاؤ الدین کی قبر ہے۔ ان دونوں مزاروں کے اردگرد بہت سی قبریں ترتیب کے ساتھ بنی ہوئی ہیں۔ یہ تمام قبریں مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی اولاد کی ہیں۔ مزار کی عمارت بہت خوبصورت اور عمدہ بنی ہوئی ہے۔

مخدوم جہانیاں کے مزار کے قریب ایک چھوٹے حجرہ میں ایک پتھر نصب ہے جس پر حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کا نقش پا ہے۔ روایت کے مطابق اس مقدس پتھر کو حضرت مخدوم جہانیاں پشاور کے قریب علی مسجد سے لائے تھے۔ اس گنبد کے دروازے پر مندرجہ ذیل اشعار کندہ ہیں۔

درایں روضۂ پاک شیرِ جلی   مبارک قدم ہست مولا علیؑ

مرمت شدہ در زماں شاہِ دیں   شہ نو بہار گرامی دلی

بدیں فیض در روضۂ عنبر سرشت

چہ شغل است ذکر علیؑ و نبیؐ

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے مزار کی مشرقی جانب ایک قدیم مسجد ہے جس کو مسجدِ حاجات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مسجد کے ایک کونے میں کنواں ہے۔ مسجدِ حاجات سے ملحق شاہ فضل اللہ کا مزار ہے۔

سید صدرالدین راجو قتال کا مزار دریائے گھگرہ کی قدیم گزرگاہ کے جنوبی کنارے پر ایک بڑے کمرے میں ہے جو فنِ تعمیر کا بہترین اور دلکش نمونہ ہے۔

مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے مزار کے قریب مغربی سمت بخاری سجادہ نشین کا ڈیرہ ہے۔ یہ ایک وسیع و عریض ہال ہے اس کے اردگرد کئی چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں۔ ہال میں فرش بچھے رہتے ہیں جہاں معتقدین اور مریدین آ کر قیام کرتے ہیں

ڈیرے سے جنوب کی سمت تھوڑے سے فاصلے پر حضرت مخدوم سید جلال سرخ بخاری کا مزار ہے۔ مزار کی عمارت بہت عالیشان ہے جو وسعت کے اعتبار سے دوسرے مزاروں سے بہت بڑی اور کشادہ ہے۔ درگاہ میں داخل ہونے کے لئے ایک عظیم الشان ڈیوڑھی سے گزرنا پڑتا ہے۔ حضرت مخدوم جلال سرخ بخاری کی قبر کے اردگرد بہت سی قبریں ہیں۔ یہ تمام بزرگ آپ کی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے پہلو میں آپ کے صاحبزادے مخدوم سید احمد کبیر اور پوتے مخدوم سید شہاب الدین کی قبریں ہیں۔

مزار کے احاطہ میں مسجد اور دروازے کے قریب ایک تالاب ہے! احاطہ کے شمالی دروازے سے مشرق کی جانب جانے والا راستہ قبروں کے درمیان مشرق کی جانب جاتا ہے جہاں یہ راستہ ختم ہو جاتا ہے۔ وہاں مشہور مجذوب بچل سرمست کی قبر ہے جو حضرت مخدوم سرخ بخاری کے ہمعصر تھے۔ اسی کے نزدیک وہ تاریخی برگد کا درخت ہے جہاں حضرت مخدوم سرخ بخاری نے پہلے پہل قیام فرمایا تھا۔ اس درخت کے بارے میں مشہور ہے کہ ایک شیر وہاں آپ کی سلامی

کے لئے رفوانہ حاضری دیتا تھا۔

ان مزارات کے قریب صابر صاحب کی قبر ہے۔ صابر صاحب کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ زیدی سادات کے مورثِ اعلیٰ ہیں۔ جو سب سے پہلے ہندوستان تشریف لائے تھے۔

ہم لوگ بزرگوں کے مزارات پر فاتحہ خوانی کے فرض سے فارغ ہوئے تو مجاور نے دریافت کیا کہ کیا آپ سجادہ نشین صاحب سے بھی ملاقات کریں گے۔ وہ آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔ لہٰذا ہم اس کی راہنمائی میں ڈیرے کی طرف بڑھے۔ گرمی کا زمانہ اور بھری دوپہر، ہم لوگوں کو اس نے ایک وسیع کمرے میں ٹھہرایا اور خود کمرے میں گیا اور فوراً ہی واپس آکر ہم لوگوں کو اندر جانے کی اجازت دی۔ ہم ایک آراستہ کمرے میں داخل ہوئے۔ جس میں چند کرسیاں اور ایک مسہری تھی جس پر جوان العمر سجادہ نشین صاحب جن کا اسم گرامی مخدوم سید غلام اصغر ناصر الدین ہے آرام فرمارہے تھے۔ ہم لوگوں کو دیکھتے ہی وہ مسہری سے اُترے ہمارا خیر مقدم کیا اور بہت محبت سے بغل گیر ہوئے۔ ہم نے پہلے تو اپنا تعارف کرایا اور ناوقت زحمت دینے کی معذرت چاہی۔ جس کے جواب میں سجادہ نشین صاحب نے ارشاد فرمایا کہ آپ ہمارے بزرگ ہیں اور آپ کی تشریف آوری ہمارے لئے بھی باعثِ عزت ہے۔ کیونکہ آپ بھی اس خانوادے کے چشم و چراغ ہیں۔ بہرحال سجادہ نشین صاحب سے بزرگوں کے متعلق مختلف باتیں ہوتی رہیں۔ انھوں نے اس سلسلے میں ہم سے مختلف سوالات کئے۔ انھوں نے سوال کیا کہ آپ کی کڑی مخدوم ناصر الدین کے کون سے فرزند سے تعلق رکھتی ہے۔ ہم نے انھیں بتایا کہ مخدوم ناصر الدین کے ایک بیٹے مخدوم سید شہاب الدین تھے۔ ان کے بیٹے سید عمر نوبہار اور ان کے بیٹے سید حامد نوبہار تھے۔ جو ہمارے

مورثِ اعلیٰ ہیں اور ان ہی نے ہماری بستی آباد کی تھی۔ مخدوم صاحب نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہاں تک تو غالباً ہمارے نسب نامہ میں بھی ہے۔ دریافت کیا کہ کیا نسب نامہ دکھا سکتے ہیں؟ فرمانے لگے ضرور دیکھئے لیکن اس میں سے کچھ نقل نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے عرض کیا کہ ہم صرف زیارت کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے سوال کیا کہ آپ تو کسی کو نقل کرنے کی اجازت نہیں دیتے پھر آپ کا نسب نامہ گیلانی خاندان کے پاس کس طرح پہنچ گیا۔ جبکہ وہ حضرات سنا ہے کہ سب کو دکھا دیتے ہیں اور نقل بھی کرنے دیتے ہیں۔ فرمانے لگے۔ میں اس پر کسی تبصرے کا حق محفوظ رکھتا ہوں لیکن اصل اور مصدقہ نسب نامہ ہماری تحویل میں ہے۔ اور صرف مخصوص تاریخوں میں شجرے اور دوسرے تبرکات کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ کل آپ بھی زیارت کر سکتے ہیں۔ اس دوران آپ ہمارے مہمان ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ تقریباً ساٹھ ستر سال قبل میرے والد صاحب قبلہ یہاں تشریف لائے تھے۔ انھوں نے حضرت مخدوم سرخ بخاری سے مخدوم سید ناصرالدین محمود تک کے سلسلہ میں چند دوسرے بیٹوں کے نام اور حالات نقل کیے ہیں۔ سجادہ نشین صاحب کو یہ سن کر تعجب ہوا اور فرمانے لگے کہ جس زمانے کا آپ ذکر کر رہے ہیں، اس وقت میرے دادا مخدوم سید حسین بخش ناصرالدین ثامن سجادہ نشین تھے ہو سکتا ہے کہ دادا صاحب قبلہ نے نقل کرنے کی اجازت کسی خاص یقین دہانی کے باعث دیدی ہو۔

بخاری سجادہ نشین کے پاس حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات اور فرامین کا ایک نادر اور نایاب ذخیرہ ہے۔ بادشاہوں کے فرامین بھی کافی تعداد میں موجود ہیں۔ لیکن طویل عرصہ گزر جانے کے باعث ان کے اوراق بوسیدہ ہو چکے ہیں۔ اور ان کی سیاہی جگہ جگہ سے دھندلی ہو گئی ہے کہ پڑھنا بھی دشوار

ہے ۔حضرت مخدوم جہانیاں کی بعض قلمی کتابیں "خزینۂ جلالی" اور "جواہرِ جلالی" قابلِ ذکر ہیں ۔یہاں کا کتب خانہ بھی ایک قیمتی سرمایا ہے ۔جس کی حفاظت سجادہ نشین حضرات کا اولین فریضہ ہے ۔

بخاری خاندان کے تبرکات ایک بڑے صندوق میں محفوظ ہیں اور خاص خاص تاریخوں میں یہ صندوق ایک جلوس کی شکل میں زنان خانے سے ڈیرے میں لایا جاتا ہے ۔راستہ میں صلوات و سلام اور عقیدت کے اشعار پڑھے جاتے ہیں۔ حاضرین ایک ایک تبرک کو آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ خانوادہ بخاری کی تحویل میں مندرجہ ذیل تبرکات ہیں۔

(۱) حضرت رسولِ کریم کی دستارِ مبارک ۔

(۲) پنجتن پاک کی چادر۔

(۳) حضرت فاطمہ زہرا کی ردائے مبارک ۔

(۴) حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی تلواریں جن کے نام بالترتیب صمصام اور قمقام ہیں ۔

(۵) حضرتِ رسولِ کریم کا رومالِ مبارک ۔

(۶) حضرت سلیمان فارسی کی چادر۔

(۷) حضرت مخدوم جہانیاں کا تحریر کردہ قرآن شریف۔

(۸) عقیقِ زرد کا کنٹھا۔

(۹) حضرت سید فضل اللہ شاہ بخاری کا جبہ ۔

(۱۰) خانۂ کعبہ کا ایک یادگار غلاف ۔

(۱۱) حضور سرورِ کائنات کے روضۂ اقدس کا غلاف ۔

(۱۲) مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے ملفوظات پر مشتمل کئی کتابیں ۔

موجودہ اوچ۔ عبرت کا مرقع

اوچ کی قدامت اور اہمیت کے بارے میں ہم نے بہت پڑھا تھا لیکن جب موجودہ حالت اپنی آنکھوں سے دیکھی تو تاریخ کے تمام ادوار نگاہوں کے سامنے پھر گئے۔ ہم نے اوچ کے شاندار ماضی کے اوراق کو اس بستی کے چپہ چپہ پر بکھرا ہوا پایا۔ جو اپنے شاندار ماضی کی داستان سنا رہے تھے۔ انقلابِ زمانہ اسی کو کہتے ہیں۔

اوچ کی علمی، روحانی، سیاسی اور تمدنی اہمیت کا دور ختم ہوئے اگرچہ مدت گزری اور اوچ کی تاریخ ساز حیثیت ایک خواب بن کر رہ گئی ہے۔ اب اس کے در و دیوار پہ حسرتوں کی سیاہی پھیل چکی ہے۔ اس کی پختہ دیواروں کی سنگینی قصۂ پارینہ بن چکی ہے ماہ و سال کی تہہ در تہہ گرد کے نیچے اس کے اوراق دفن ہو کر رہ گئے ہیں۔ اور اب یہ شہر عبرتوں کا مرقع اور حسرتوں کی تصویر بن چکا ہے اب بھی یہ بستی زندگی کے کچھ نہ کچھ آثار ضرور اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ کارکنانِ قضا و قدر کا یہ ضابطہ بھی عجیب ہے کہ وہ جسے پامال کرتے ہیں۔ اسے سربلند بھی ضرور کرتے ہیں۔ اور جسے اوجِ کمال تک پہنچاتے ہیں اسے روبہ زوال کرنے میں بھی انھیں تامل نہیں ہوتا۔ کیا عجب کہ یہ بستی جو کبھی عروج و کمال کے منتہا تک پہنچ کر زوال و انحطاط کا شکار ہوئی ہے خود اپنے ہی سوزِ باطنی کے دم قدم سے پھر ایک بار انگڑائی لے کر بیدار ہو جائے۔ اور اس کے گلی کوچوں میں وہی پرانی رونقیں جاگ اٹھیں۔ جن کی دعوتِ نظارگی نے ایک عالم کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔

اوچ کی موجودہ تصویر ایک ایسی بستی کی ہے جہاں غربت و امارت

اور بلندی و پستی کا واضح تضاد موجود ہے۔

اوچ جس کے حدود اربعہ کی وسعت آج ایک ناقابلِ یقین کہانی محسوس ہوتی ہے ایک زمانہ وہ بھی تھا جب یہ ۳۶ میل لمبا اور ۲۴ میل چوڑا شہر تھا۔ اس طول و عرض کا حامل شہر کیا کچھ نہ ہوگا۔ ذرا چشم تصور سے کام لے کر اس کی پہنائیوں کا اندازہ لگائیے۔ اور ان پنہائیوں کے دامن میں کس کس قسم کے ہنگامے پلتے اور ابھرتے ہوں گے۔ اوچ کے قرب و جوار کی وہ بستیاں جو آج اپنی انفرادی حیثیت کو نمایاں کر چکی ہیں آج سے پانچ سات سو برس پہلے تک اس شہر کے محلے شمار ہوتے تھے۔ مگر آج یہی محلے مستقل بستیوں کی شکل میں خود اوچ کی عظمت کے حریف بن چلے ہیں۔

اوچ کی موجودہ آبادی تقریباً دس پندرہ ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ اس کا مجموعی رقبہ چار مربع میل سے کسی طرح زیادہ نہیں۔ یہاں کے بازاروں میں نہ رونق ہے نہ گہما گہمی بلکہ ہر طرف اداسیاں چھائی ہوئی ہیں۔

باسمہٖ سبحانہٗ

حرفِ آخر

خدا کا شکر ہے کہ میری دیرینہ خواہش کے مطابق شجرۂ نسب اختتام کو پہنچا۔ اس سلسلہ میں ہر مرحلہ پر میری معاونت میرے بیٹے طاہر نقوی سلمہٗ نے کی جو خود بھی ماشاءاللہ ادیب اور اردو کا معروف افسانہ نگار ہے جس کے ادبی مضامین اور افسانے برصغیر کے معیاری رسالوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

آخر میں ایک بار پھر معذرت خواہ ہوں کہ اگر کہیں میری ذاتی کمزوری اور نااہلی کے باعث کوئی نام غلط لکھا گیا ہو یا نظر انداز ہو گیا ہو تو نہ صرف مجھے معاف کر دیا جائے بلکہ ایسے تمام نام حوالے کے ساتھ میرے پاس بھیج دیئے جائیں تاکہ آئندہ اگر اشاعت ممکن ہوئی تو درست کئے جا سکیں۔

بزرگوں کے حالات اور شجرۂ نسب کی تکمیل میں کہاں تک کامیاب رہا ہوں قارئین ہی اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ میری تو ذاتی خواہش صرف یہ ہے کہ مجھے دعائے خیر میں یاد رکھا جائے۔

آخر میں خداوند رحیم و کریم کی درگاہ میں دست بدعا ہوں کہ برادری کے نوجوان بیٹے اور بیٹیاں دینی و دنیاوی علوم میں ترقی کی بلندیوں پر فائز ہو کر بزرگوں کے نام روشن رکھیں تاکہ وہ بستی جو اب تقریباً اجڑ چکی ہے دلوں میں آباد رہے اور آپس میں کسی نہ کسی طرح قدیم اور تاریخی رشتے اور مراسم برقرار رہیں۔ آمین!

دعائے خیر کا طالب

ثامن نقوی